رسالۂ نافعہ

جوازِ فاتحہ و دعا

ما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا

رسالۂ نافعۂ

جواز فاتحہ ودعا

از تازہ افاضات

جناب مولانا الاجل حاجی الحرمین الشریفین شاہ محمد ولی اللہ قادری مدظلہ العالی ونفع بعلومہ بمقام دھارواڑ

باہتمام

خاکسار محمد ابن محی الدین صاحب پیش امام مسجد کریم دادخاں بیلگام

در مطبع فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹- سرکلر روڈ لاہور باہتمام ایم عبدالحمید خاں منیجر بطبع رسید

ملنے کا پتہ - مرزا زاہد بیگ ابن محی الدین بیگ وزیر تاجر کتب بیلگام

قیمت پانچ آنے

تعداد طبع ایک ہزار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرض واجب الاظہار

بعد حمد وصلوٰۃ کے برادرانِ اسلام کی خدمت میں فقیر حقیر شاہ محمد ولی اللہ قادری عفی اللہ عنہ گذارش کرتا ہے کہ چند روز کے پیشتر بیلگام سے بعد سنن و نوافل - باجماعت - امام کے دُعا کرنے اور بعد دعا کے فاتحہ پڑھنے اور گیارہویں وغیرہ کے فاتحہ کرنے کے متعلق ایک استفتاء آیا تھا - کہ یہ امور درست ہیں یا نہیں ؟ اور اُس کا جواب لکھا گیا تھا - کہ امور مذکورہ ممنوع فی الشرع نہیں ہیں - بلکہ درست ہیں - اور اُس کے دلائل بھی لکھے گئے تھے - بعد میں عبدالکریم صاحب ڈونی مارکیٹ بیلگام کی طرف سے - اور ایک خط آیا کہ مانعین اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں - لہذا اُن کا جو کہنا تھا - اُن کی طرف سے تحریری لے کر آپ کی طرف بھیجدیا گیا ہے - آپ اُسکا مفصل اور مدلل جواب دیں تا کہ عمل کی سہولت حاصل ہو - بنابراں صاحب موصوف کے نام یہ مکتوب ذیل مع جواب شافی بعونہٖ تعالیٰ و تقدس لکھا گیا ہے - ناظرین کرام اس کو مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ بہ غور صحیح ملاحظہ فرمائیں اور جو امر حق کہ ظاہر کیا گیا ہے اُس کو قبول اور اُس پر عمل کریں وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ؕ

جناب عبدالکریم صاحب اصلح اللہ حالکم و مآلکم

پس از سلام مسنون و دعائے خیر واضح باد - کہ تمہارا مکتوب مع الفت اسلوب پہونچا مضامین مندرجہ سے کماحقہٗ آگاہی حاصل ہوئی - اس سے قبل جو استفتاء کا جواب لکھا گیا تھا - طالبین حق کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ کافی اور وافی تھا - کیونکہ مستند اور مسلّم بالاتفاق دلائل کے ساتھ لکھا گیا تھا - جواب مذکور پر غور کامل کرنے کے بعد مانعین کی تحریر پر اگر غور صحیح کیا جاتا - تو آپ لوگ ہرگز اس کیطرف التفات ہی نہ کرتے - استفتاء کے جواب پر غور کامل کے نہ کئے جانے کے سبب سے شاید مانعین کی تحریر نے آپ لوگوں کو شک میں ڈالدیا جبھی تو اُن کی تحریر ادھر بھیجدی گئی - خیر مضائقہ نہیں مزید توضیح کے لئے تحریر مانعین کی وقعت اصلیہ جو کچھ کہ تھی بغیر تعرض لغزشات تحریر کی - صرف اصل مقصود کے متعلق حسبۃً للّٰہ عزّوجلّ ظاہر کردی گئی ہے تاکہ ناظرین صراطِ مستقیم سے دور نہ پڑیں - اور جو امر کہ حق تھا صاف صاف طور پر بتادیا گیا ہے - اور امرِ حق کے ڈھونڈھنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر مزید توضیح کی کوئی ضرورت نہیں - لہذا امید کہ آپ لوگ اِس تحریر کو غور کامل کے ساتھ دیکھیں اور اپنے وساوس اور شکوک کو دور کریں - اور جو امرِ حق کہ ظاہر کیا گیا ہے اُسی پر مضبوط جمے رہیں - اور تفرقہ ڈالنے والوں کے شور و غوغا کی طرف مطلق خیال نہ فرمادیں - کیونکہ وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ صادق وارد ہے - مانعین سے آپ صرف یہی کہیں - کہ خداوند کریم نے ہم کو یہی حکم دیا ہے - کہ ہمارے پیغمبر صلعم جس کام سے

تم کو منع کریں تم اُس کام سے باز رہو۔ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ (بخاری شریف) پس سُنن و نوافل کے بعد باجماعت امام کے دُعا کرنے کو اور سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کو اور گیارہویں بارہویں ۔ سوم دہم ۔ چہلم ۔ برسی وغیرہ دنوں میں للہ کچھ کھلا پلا کر ۔ صدقہ و خیرات دے دلا کر اور کچھ پڑھ پڑھا کر ثواب رسانی کرنے کو اگر خدا و رسول نے منع کیا ہے ۔ یعنی کسی آیت مفسرہ یا محکمۂ قرانی سے یا حدیث متواترۂ قطعی الدلالۃ (بلا معارض) سے امور مذکورہ کی حرمت یا کسی آیت مؤولۂ قرانی سے یا حدیث آحاد قطعی الدلالۃ (بلا معارض) سے اُن کی کراہت تحریمی ثابت ہے تو بتا دو ۔ ہم بسر و چشم مان لیتے ۔ اور امور مذکورہ کو ترک دیتے ہیں ۔ ورنہ تمہارا کہنا کسی وقت میں ہمارے نزدیک قابلِ تسلیم نہ ہوگا ۔ پس اس کو اچھی طرح سے یاد رکھو اور اسی پر مضبوط جمے رہو ؀

(پہلے استفتاء کے سوال و جواب کا خلاصہ)

سوال کا خلاصہ یہ تھا ۔ کہ نماز سنن و نوافل کے بعد ۔ جماعت کے ساتھ امام کا دعا کرنا ۔ اور بعد دعا کے باجماعت امام کا سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود شریف پڑھ کر ثواب رسانی کرنا ۔ اور ثواب رسانی کے لئے گیارہویں وغیرہ کے فاتحہ کرنا درست ہے یا نہیں ۔ بیان فرمائیں ؀ **جواب** کا خلاصہ یہ تھا ۔ کہ جب تک کسی کام کی حُرمت یا کراہت تحریمی ثابت نہ ہووے ۔ تب تک وہ کام شریعت میں ممنوع نہیں کہلا سکتا ۔ اور جو کام شریعت میں ممنوع نہیں اُس کا کرنا جائز ہے ۔ پس یہ اُمور جائز ہیں ۔ کیونکہ ان امور کی حرمت یا کراہت تحریمی کسی دلیل سمعی شرعی سے ثابت نہیں ہے ۔ حُرمت کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی الثبوت و الدلالۃ ہونا چاہیئے ۔ جیسے کہ آیت مفسرہ یا محکمۂ قرآنی یا حدیث متواترۂ قطعی الدلالۃ (بلا معارض) اور کراہت تحریمی کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ہونا چاہیئے ۔ جیسے کہ آیت مؤولۂ قرآنی یا دلیل ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ ہونا چاہیئے ۔ جیسے کہ حدیث آحاد قطعی الدلالۃ (بلا معارض) ردالمحتار عرف شامی کی عبارت ان الادلۃ السمعیۃ اربعۃ ۔ الاوّل قطعی الثبوت و الدلالۃ ۔ کنصوص القرآن المفسرۃ او المحکمۃ او السنۃ المتواترۃ التی مفهومها قطعی ۔ والثانی قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ۔ کالأیات المؤولۃ و الثالث عکسہ کاخبار الاحاد التی مفهومها قطعی و الرابع ظنیهما ۔ کاخبار الاحاد التی مفهومها ظنی ۔ فبالاوّل یثبت الافتراض و التحریم ۔ و بالثانی والثالث الایجاب و کراهۃ التحریم و بالرابع تثبت السنۃ و الاستحباب ؀

بعدہ مانعین کیطرف کی تحریر جو آپ نے بھیجی تھی ۔ سو اُس کی نقل ذیل میں کی جاتی ہے ۔ وہ یہ ہے (ادلۂ مذکورہ قائلین کو مفید نہیں ۔ بلکہ وہ عین مانعین کی دلیلیں ہیں) کیونکہ ادلۂ مذکورہ کا انضباط بمنزلہ محک ہے اور اُس کا مقتضی اسنحکام سنت نبوی ہے جو بمنزلہ محکوک سمجھنا چاہیئے کہ (جو کوئی امر مسنون ہو ۔ اُس کی صحت کا مدار انہی دلائل اربعہ پر موقوف ہے) کہ (جو فعل ان دلائل سے ثابت ہو وہ حق اور جو نا ثابت ہو ۔ باطل ہے) جو اُسی کے کلمۂ یثبت الافتراض اور تثبت السنۃ والاستحباب سے مفہوم ہوتا ہے ۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے ۔ کہ (ادلۂ اربعہ میں چوتھی دلیل

جو مثبت السنۃ ہے وہ آخر الدلائل ہے) جس کی غایت یہ کہ جو فعل کم از کم حدیث آحاد سے ثابت ہو وہ داخل سنت ہے۔ اور (جو اس سے بھی درگذرے۔ خارج السنۃ سمجھنا چاہئے۔ اور اس پر حدیث شریف شاہد ہے من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد) تو یہ دلیل صریح ہے اُن جمیع امور کے بطلان پر جو ادلۂ اربعہ شرعیہ میں منضبط نہیں ہیں (پس مسائل متعلقۂ استفتاء اور ان کی مانند سوم۔ دہم۔ چہلم۔ برسی وغیرہ جب ادلۂ اربعہ سے مطابق کیئے جاتے ہیں۔ تو وہ کسی دلیل کے تحت میں نہیں ہیں) اور یہ قائلین کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ لیکن انکی عدم صراحت کو جواز کی دلیل جو سمجھتے ہیں وہ کسی طرح جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ (جس امر کا ثبوت جب اوامر میں نہیں ملتا۔ تو اُس کا حکم یقینی ممانعت ہے) پھر اس کی صراحت کی تلاش تحصیل حاصل کے سوا اور کچھ نہ ہوگی کما مرّ فی الحدیث مع ہذا بہ قول قائلین (مسائل مذکورہ اگر صریح منع نہیں تو صریح جائز بھی نہیں ہیں) اور جس صورت میں کہ (جس شے کا ذکر دونو طرف وارد نہ ہو۔ اُس کا متشابہ ہونا یقینی ہے) اور متشابہ کا حکم نورالانوار میں واجب التوقف لکھا ہے۔ جس سے عبارت موافق حدیث ابو داؤد کے حرام ہو سکتی ہے من وقع فی المتشابھات وقع فی الحرام اگر یہ کہا جائے۔ کہ دعا و فاتحہ و دیگر ایصال ثواب ماثور و منقول ہیں وہ کسی طرح ادا کریں۔ تو نقصان کیا ہوگا۔ تو مختصر جواب اُس کا یہ ہے کہ جو شے مسندل بہ سنت ہے اُس کا سوال ہی نہیں (سوال جدت و احداث میں ہے جس ترتیب و ترکیب کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرتب نہیں فرمایا۔ اُس کی ترتیب دہی کا غیر کو اختیار کیا ہے۔ بلکہ اُس کے خلاف میں وعید نازل ہے ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ما لم یأذن بہ اللہ) تو ایسی اشیاء سے نفع کیا ہو۔ نقصان ہی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ؎ یہ ہے تحریر مانعین کی نقل جو آپ نے بھیجی تھی۔ اب اس کے جواب باصواب کو ملاحظہ فرمایئے۔ اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجئے اور یاد رکھئے۔

الجواب واللہ الموفق للحق والصواب

بعد حمد و صلوٰۃ کے پوشیدہ نہ رہے۔ کہ تحریر مذکور مانعین میں جو اقوال کہ بین القوسین لکھے گئے ہیں۔ اُن کو غور کامل کے ساتھ دوبارہ دیکھئے۔ پھر ہر قول کے ذیل میں جو تحقیق کہ لکھی ہے اُس کو بھی غور صحیح کے ساتھ دیکھئے اور اُس کے ماحصل کو بہ خوبی خاطر نشان کر لیجئے۔ تو امر حق واقعی آپ پر بخوبی منکشف ہو ہی جائیگا۔ فباللہ تبارک و تعالیٰ نحول و بعونہ و توفیقہ نقول

پہلا قول (ادلۂ مذکورہ قائلین کو مفید نہیں بلکہ وہ ہیں مانعین کی دلیلیں ہیں) اس قول کی صحت یا غلطی یعنی ادلۂ مذکورہ کا قائلین کے لئے مفید ہونا یا مانعین کے لئے ناظرین کو انشاء اللہ تعالیٰ اخیر میں چل کر خود بخود معلوم ہو ہی جائیگا۔ سر دست یہاں پر اُس کے لئے خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت یا حاجت نہیں ہے ؎

دوسرا قول (جو کوئی امر مسنون ہو اس کی صحت کا مدار انہی دلائل اربعہ پر موقوف ہے) یہ قول غلط صریح ہے کیونکہ کسی امر کے مسنون ہونے کو صرف پہلی چوتھی دلیل ہی ثابت کرتی ہے۔ پہلی اور دوسری اور تیسری ان تینو

دلیلوں کو مسنونیت یا استحباب کے اثبات کے ساتھ ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ پہلی دلیل صرف فرضیت یا حرمت کو ثابت کرتی ہے۔ اور دوسری اور تیسری دلیل فقط وجوب یا کراہت تحریمی کو ثابت کرتی ہے۔ جیسے کہ عبارت ردالمحتار داخل جواب استفتاء کے الفاظ صریحہ فبالاول یثبت الافتراض والتحریم و بالثانی والثالث الایجاب وکراھۃ التحریم سے ظاہر ہے۔ پھر تو ثابت ہو ہی گیا۔ کہ مسنونیت کی صحت کے اثبات کے ساتھ پہلی اور دوسری اور تیسری ان تینو دلیلوں کو کوئی تعلق سے ہی نہیں۔ اور یہ بات خود ہی مانعین کی تحریر مذکور کے نشان دئے ہوئے چوتھے قول (ادلۂ اربعہ میں چوتھی دلیل جو مثبت السنۃ ہے وہ آخر الدلائل ہے) سے بھی ظاہر ہے۔ جب اُنہی کی تحریر مذکور کے قول چہارم سے صرف چوتھی دلیل کا مثبت السنۃ ہونا مسلم ہے۔ تو پھر امر مسنون کی صحت کا مدار دلائل اربعہ پر موقوف نہ ٹھیرا۔ بلکہ صرف اکیلی چوتھی دلیل پر ہی موقوف ٹھیرا۔ پس قول مذکور مانعین کا (جو کوئی امر مسنون ہو اُن کی صحت کا مدار اُنہی دلائل اربعہ پر موقوف ہے) اُنہی کی تحریر مذکور کے قول چہارم سے غلط صریح ثابت ہو ہی گیا۔ علاوہ براں وہ بھی کہنا مانعین کا محض لغو ہی ثابت ہو گیا جو استحکام سنت نبوی کو ادلۂ اربعہ کے انضباط کا مقتضا قرار دیا تھا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ مسنونیت کا استحکام صرف مقتضا چوتھی دلیل کا ہے نہ کہ پہلی اور دوسری اور تیسری دلیل کا بلکہ پہلی دلیل کا مقتضا استحکام فرضیت ہے یا تحریم۔ اور دوسری اور تیسری دلیل کا مقتضا استحکام وجوب ہے یا کراہت تحریمی۔ پھر تو ان چاروں دلیلوں کا مقتضا صرف استحکام سنت نبوی کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ لہٰذا دعویٰ مذکور باطل قطعی اور غلط محض ہے

تیسرا قول (جو فعل ان دلائل سے ثابت ہو وہ حق اور جو نا ثابت ہو وہ باطل ہے) یہ قول مانعین کا اگر اُن کے نزدیک فی الواقع صحیح اور مسلم ہے۔ تو اُنہی کے اس قول سوم سے بعد سنن و نوافل باجماعت امام کے دُعا کرنے کو اور بعد دُعا کے قراءۃ فاتحہ و اخلاص و درود شریف سے ایصال ثواب کرنے کو اور گیارہویں بارہویں سوم۔ دہم۔ چہلم برسی وغیرہ دنوں میں کچھ کھلا پلا کر صدقہ و خیرات دے دلا کر کچھ پڑھ پڑھا کر ثواب رسانی کرنے کو مانعین کا حرام و ناجائز کہنا قطعاً غلط اور باطل ثابت ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اس تحریر میں امور مذکورہ کی حرمت کو کسی آیت مفسرہ یا محکمۂ قرآنی سے یا حدیث متواترہ قطعی الدلالہ بلا معارض سے یا اُن کی کراہت تحریمی کو یا کسی آیت مؤولہ قرآنی سے یا حدیث آحاد قطعی الدلالہ بلا معارض سے ثابت نہیں کیا۔ اور حدیث میں بلا معارض کی قید اس لئے مرعی ہے کہ تعارض ادلہ ان میں سے ایک کی تاویل کو واجب گردانتا ہے۔ جب مانعین نے مذکورہ صورتوں کی حرمت یا کراہت تحریمی کو بالتخصیص کسی دلیل سمعی شرعی سے ثابت کیا ہی نہیں۔ تو پھر ان مذکورہ صورتوں کو اُن کا حرام اور ناجائز کہنا اُنہی کے اس قول سوم سے باطل اور غلط ثابت ہو گیا۔ اگر اس وقت میں کہا جائے کہ مانعین نے تو مذکورہ صورتوں کے حرام ہونے پر حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد پیش کی ہے۔ تو جواب اس کا اولاً یہ ہے۔ کہ حرمت کے ثبوت کے لئے پیشتر ہی گذارش کی گئی ہے۔ کہ دلیل قطعی الثبوت والدلالہ ہونی چاہئے۔ اور وہ یا تو آیت مفسرہ یا محکمۂ قرآنی ہے یا حدیث متواترہ

قطعی الدلالۃ بلا معارض ہے۔ اور یہ حدیث پیش کردہ حدیث آحاد ہے۔ پھر اس سے اُن صورتوں مذکورہ کی بالتخصیص حرمت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتی۔ اور ثانیاً جواب یہ ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ دعا کرنا کے لئے اور مومنین سابقین کو تائید پہونچانے کے لئے علی العموم کتاب وسنت میں امر موجود ہے۔ جیسے کہ اُس کی تصریح انشاءاللہ تعالیٰ قریب میں آتی ہے۔ پھر تو دعا با جماعت اور ایصال ثواب مالیس علیہ امرنا میں کیونکر داخل مانا جا سکتا ہے۔ ہرگز داخل نہیں مانا جا سکتا۔ اس لئے کہ بالعموم احداث واستنان طریقہ حسنہ کے لئے بھی امر موجود ہے۔ پھر تو مانعین پر لازم ہوا۔ کہ بالتخصیص ان صورتوں کے ممنوع فی الشرع ہونے پر کسی دلیل خاص سمعی شرعی کو پیش کریں۔ اور اُنہوں نے کوئی دلیل خاص سمعی اس طرح کی پیش ہی نہیں کی ہے۔ پھر تو مذکورہ صورتوں کو اُن کا حرام و ناجائز کہنا اُنہی کے اس قول موہوم کے مطابق بالضرور باطل اور غلط صریح ثابت ہو گیا۔

علاوہ برآں مانعین کے اس قول میں اور ایک غلطی فاش یہ ہے۔ کہ ان ادلۂ اربعۂ سمعیہ یعنی قطعی الثبوت والدلالۃ قطعی الثبوت ظنی الدلالہ۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالہ۔ ظنی الثبوت والدلالہ سے کسی فعل کا شرعاً فرض یا حرام۔ واجب یا مکروہ تحریمی یا مسنون یا مستحب ہونا یا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ کسی فعل کا شرعاً حق ہونا یا باطل ہونا شرعاً کسی فعل کے حق ہونے یا باطل ہونے کو جو دلائل شرعیہ کہ ثابت کرتے ہیں سو وہ دلائل دوسرے ہیں۔ ان دلائل سے صرف افعال پر یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ فرض ہے یا واجب۔ حرام ہے یا مکروہ تحریمی۔ مسنون ہے یا مستحب یا مباح۔ شرع میں افعال کی حقیت یا بطلان کو ثابت کرنے والے دلائل کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس صحیح ہیں۔ کہ جن کی موافقت کی صورت میں شرعاً فعل کا حق ہونا اور مخالفت کی صورت میں شرعاً فعل کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جواب استفتاء میں جو دلائل کہ پیش کئے گئے ہیں۔ وہ دلائل اربعۂ سمعیہ ہیں شریعت کے یہ تقسیم ادلۂ شرعیہ کی مطلق تقسیم نہیں ہے بلکہ صرف ادلۂ سمعیہ کی تقسیم ہے۔ عبارت رد المحتار کے جملۂ اول ان الادلۃ السمعیۃ اربعۃ پر ہی اگر نظر غور ڈالی جاتی۔ تو یہ عقدہ حل ہی ہو جاتا۔ کسی فعل کے جواز یا منع کا حکم انہی ادلۂ اربعۂ سمعیہ سے ہی متفرع ہے۔ افتراض۔ وجوب۔ مسنونیت۔ استحباب۔ اباحت یہ سب احاطۂ جواز میں اور حرمت۔ کراہت تحریمی احاطۂ عدم جواز میں داخل ہیں۔ چونکہ سوال یہی تھا۔ کہ امور مذکورۂ داخل استفتاء جائز ہیں یا نہیں لہذا منع و جواز جس تقسیم ادلہ شرعیہ سے کہ متفرع تھے وہی ادلہ پیش کئے گئے۔ پس مانعین پر فرض تھا۔ کہ اگر امور مذکورہ کی ممنوعیت یا اُن کا منہی عنہ ہونا اُن کے نزدیک بالتخصیص کسی دلیل سمعی سے ثابت تھا تو اُس کو پیش کرتے۔ یا اگر وہ ادلہ ہی اُن کے نزدیک مخدوش تھے تو اُن پر نقض مفصل وارد کرتے شق ثانی تو ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ تمامی مقتدایان سلف وخلف اہل سنت وجماعت کے نزدیک بالاتفاق افتراض یا حرمت وجوب یا کراہت تحریمی مسنونیت یا استحباب اور اباحت کے ثبوت کے ادلہ یہی ہیں اس میں کسی کا خلاف نہیں ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان والاتیان بالادلۃ المغایرۃ لہا۔ پھر تو شق اول ہی متعین رہی۔ لہذا مانعین کو چاہئے تھا۔ کہ امور مذکورہ کی حرمت یا کراہت تحریمی کو بالتخصیص دلائل سمعیۂ بلا معارض

سے ثابت کرتے۔ مگر جب امور مذکورہ کی حرمت یا کراہت تحریمی کو بالتخصیص کسی دلیل سمعی خاص سے انہوں نے ثابت ہی نہیں کیا۔ تو پھر بجز اعتراف بہ جواز امور مذکورہ کے اُن کو کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ کیونکہ ادلۂ سمعیہ مذکورہ سے جس امر پر کہ افتراض یا تحریم۔ وجوب یا کراہت تحریمی یا مسنونیت یا استحباب کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ تو وہ امر شرعاً مباح قرار دیا جاتا ہے۔ اور فعل مباح اگر کیا گیا تو جائز ہے۔ ممنوع یا منہی عنہ فی الشرع نہیں ہے۔ اس لئے کہ ممنوع اور منہی عنہ شرعاً صرف حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے نہ کہ غیر۔ چنانچہ اس امر کی تصریح انشاء اللہ تعالیٰ آگے آتی ہے۔ اور قائلین بھی مذکورہ صورتوں کے جواز کے ہی قائل ہیں نہ کہ ان کی فرضیت کے یا وجوب کے یا سنت مؤکدہ ہونے کے۔ اس بناء پر کہ ہر طرح کی دعائے خیر خواہ اپنے لئے ہو یا کہ اور مومنین کے لئے (خواہ وہ موجودین میں سے ہوں یا کہ سابقین میں سے) اور بدستور اعانت و تائید مومنین (خواہ وہ موجودین سے ہوں یا کہ سابقین سے) شرعاً مامور بہ اور کتاب و سنت سے ماثور ہے۔ جس کا انکار کوئی اہل علم ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور پُر ظاہر ہے کہ اعانت و تائید مومنین سابقین بجز ایصال ثواب اعمال خیر کے کسی اور طریقہ سے ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یہ بھی پُر ظاہر ہے کہ حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعائے خیر اور اعانت و امداد مومنین کو کسی وضع خاص یا ترتیب خاص کے ساتھ مقدّر و محصور نہیں فرمایا ہے۔ جیسے کہ اذان۔ اقامت۔ نماز۔ وضو۔ غسل۔ حج وغیرہ کو اوضاع خاصہ اور ترتیبہائے مختصہ کے ساتھ مقدّر و محصور فرمایا ہے۔ کہ جن میں بجز اتباع امر منقول کے کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ امور مقدّرہ و محصورہ میں کمی یا زیادتی جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدود مقررہ شارع کا توڑ دینا گویا ان کا باطل کرنا ہے۔ جس پر تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعدّ حدود اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔ شاہد اثق ہے برخلاف اعانت و امداد مومنین و دعائے خیر کے جو امور عامۂ غیر مقدّرہ و غیر محصورہ سے ہے۔ جیسے کہ صدقہ۔ خیرات۔ احسان۔ شکر۔ صلہ رحم۔ ذکر۔ فکر۔ نصیحت۔ تعلیم۔ استغفار۔ تداوی۔ حُسن خُلق۔ حُسن معاملہ وغیرہ کہ ان امور کو حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی وضع خاص یا ترتیب خاص پر مقدر و محصور نہیں فرمایا۔ کیونکہ ان کے مواقع ضرورت خود ہی عند العقل غیر محصور ہیں۔ ان میں جو کچھ قید کہ حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے سو ما استطعتم کی ہے۔ اور صورت منہی عنہ سے پرہیز کرنے کی اور بس۔ پھر تو مانعین کے خیالات کے اعتبار سے بھی۔ اگر کچھ بحث باقی رہی تو صرف اس میں رہی کہ دعا و ایصال ثواب کی یہ صورتیں جو مذکور فی الاستفتا ہیں ان پر جواز کا حکم لگایا جا سکتا ہے یا کہ حرمت یا کراہت تحریمی یعنی عدم جواز کا۔ اور ظاہر ہے کہ عدم جواز کے حکم کے لگانے کے لئے ان صورتوں کی بالتخصیص حرمت یا کراہت تحریمی کا دلائل سمعیہ سے ثابت ہونا ایسا قطعی ضرور ہے کہ جس کے بغیر عدم جواز کا حکم کسی صورت میں نہیں لگایا جا سکتا۔ برخلاف حکم جواز کے۔ اس لئے کہ اباحت اصلیہ بھی موجب جواز ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح بھی انشاء اللہ تعالیٰ قریب میں آتی ہے۔ پس دعا و ایصال ثواب کی مذکورہ صورتوں کی بالتخصیص حرمت یا کراہت تحریمی کسی دلیل خاص سمعی سے مانعین کے نزدیک اگر ثابت ہے تو اس کو پیش کرنا مانعین پر فرض ہے۔ ورنہ تسلیم جواز کے سوا اُن کو کوئی چارہ نہیں اور امور

غیر مقدرہ غیر محصورہ کو اس باب میں امور مقدرہ و محصورہ پر قیاس کرنا قیاس فاسد و مع الفارق ہے۔ بناءً علیٰ ھذا جب تک کہ بالتخصیص ان صورتوں کی حرمت یا کراہت تحریمی دلائل سمعیہ میں سے کسی دلیل خاص کے ساتھ ثابت نہ ہولے تب تک ان صورتوں کو ناجائز ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

پانچواں قول (جو اس سے بھی درگذرے خارج السنّہ سمجھنا چاہیئے۔ اور اس پر حدیث شریف شاہد ہے من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد) یہ قول بھی غلط صریح اور مکابرۂ قبیح ہے۔ اس لئے کہ جماعت کے ساتھ دعا کرنے کے لئے بھی کتاب و سنّت میں تصریح کے ساتھ امر موجود ہے۔ کریمۂ قرآنی ادعونی استجب لکم ادعوا ربکم اور صحیح بخاری میں فما یسئلون اور اس کے جواب میں یسئلونک الجنّۃ اور مما یتعوذون اور اس کے جواب میں یتعوذون من النار جمع کے صیغوں کے ساتھ وارد ہے۔ اور اعانت و امداد مومنین کے لئے بخاری میں اینفعہا اذا تصدقت عنہا قال نعم اور نسائی میں ا فیجزئ عنہا ان اعتق عنہا قال اعتق عن امک اور المیت فی القبر کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا اس حدیث کو شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوب ۱۰۴ جلد اول میں قاضی ثناء اللہ صاحب نے اپنے وصیت نامہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور صاحب مشکوۃ نے نقل فرمایا ہے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ کیونکہ پر ظاہر ہے کہ اعانت و امداد مومنین سابقین بجز ایصال ثواب اعمال خیر کے کسی اور طریقہ سے ممکن ہی نہیں۔ اور ثواب رسانی بھی دعائے خیر ہی ہے جو جناب باری تعالیٰ میں کی جاتی ہے۔ کہ یا اللہ یہ جو پڑھا گیا ہے یا کھلایا گیا ہے یا دیا گیا ہے تو اس کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچا۔ تو پھر کتاب و سنّت میں ان اوامر صریحہ کے موجود رہنے کے باوجود جماعت کے ساتھ امام کا دعا کرنا اور قراءۃ سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود شریف کے ساتھ ثواب رسانی کرنا اور لللہ کھلا پلا کر صدقہ و خیرات دے دلا کر ثواب رسانی کرنا ما لیس علیہ امرنا میں کیونکر داخل اور سنّت و دین سے کیونکر خارج مانا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں مانا جا سکتا۔ اور استحکام کار کے لئے تعیین وقت بھی ممنوع فی الشرع نہیں۔ اپنی تعلیم و تذکیر کے لئے عورتوں کا آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام سے فعین لنا یوماً عرض کرنا۔ اور آنحضرت کا اُن کی تعلیم کے لئے دن کا متعین کرنا احادیث بخاری و مسلم سے ثابت ہے۔ اور کریمۂ تعاونوا علی البرّ کے بموجب ہی تداعی بھی ثابت ہے۔ پس کتاب و سنت میں ان تمام نصوص صریحہ کے موجود رہنے کے باوجود دعا و ایصال ثواب کی مذکورہ صورتوں کو ما لیس علیہ امرنا میں داخل اور سنت و دین سے خارج قرار دینا نری ہٹ دھرمی اور تشریع جدید کے سوا اور کچھ تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس وقت میں اگر یہ کہا جائے۔ کہ دعا و ایصال ثواب کی یہ صورتیں قرون مشہود لہا بالخیر میں نہیں تھیں۔ اس لئے شر الامور محدثاتھا میں ان کے داخل رہنے کے سبب سے یہ سب بدعت سیئہ اور حرام ہیں۔ تو جواب میں آگے یہ کہا جائیگا۔ کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں ان صورتوں کے موجود نہ رہنے کا ثبوت اگر مانعین کے نزدیک موجود ہے تو اس کو پیش کریں (یعنی کسی صحابی یا تابعی کی کوئی روایت معتمد صحیح النقل اس طرح کی کہ مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے ہم لوگ تیہر

یا دسویں یا چالیسویں یا برس کے آخر روز میں بھی للہ کچھ کھلانے اور صدقہ و خیرات دیتے نہیں تھے اور کچھ قرآن وغیرہ پڑھ کر مُردوں کو ثواب نہیں بخشتے تھے) ورنہ رجماً بالغیب مانعین کا دعویٰ مذکور کیونکر قابلِ تسلیم ہوگا۔ ہرگز نہیں ہوسکتا اور مانعین میں سے کسی نے بھی آج تک اس طرح کی کوئی روایت معتمدہ صحیحہ پیش کی ہی نہیں۔ زبان سے یا قلم سے اونچا لمبا دعوے تو کر دیتے ہیں۔ مگر اُس عدم کے ثبوت کی سند پوچھو تو آج تک نہ دارد ہی ہے۔ اور آج بھی مانعین کو مہلت دی جاتی ہے۔ کہ اگر کوئی روایت اس طرح کی قابلِ وثوق ہے تو اُس کو پیش کریں۔ ورنہ فان لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا کو پیشِ نظر رکھیں۔ اب کتب متداولہ حدیث میں کوئی روایت اس قسم کی مروی ہوگی بھی تو کیونکر۔ اس لئے کہ نفس ایصال ثواب سنت صحیحہ ثابت ہے۔ جیسے کہ کچھ دلائل اس کے اوپر گذرے اور قریب میں اور بھی آتے ہیں۔

اب رہ گیا یہاں پر ایک سوال اور وہ یہ ہے۔ کہ ایسی بھی تو کوئی روایت صحیح النقل موجود نہیں ہے۔ کہ بعد موت تیسرے یا دسویں یا بیسویں یا چالیسویں یا برس کے آخر روزوں میں اس طرح پر ایصال ثواب قرونِ اُولیٰ میں کیا جاتا تھا۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب نفس ایصال ثواب سنت صحیحہ سے ثابت ہے تو پھر اس طرح کی روایت کا من حیث العقل نہ پایا جانا ہمارے لئے کسی طرح سے مضر نہیں۔ جبتک کہ ان صورتوں کا منہی عنہ فی الشرع ہونا ثابت نہ ہولے دیکھو نماز عید میں لم یصل قبلہا و لا بعدہا کے لفظ صریح کے آجانے کے اور نماز کے امر مقدر و محصور مسلّم رہنے کے باوجود (یعنی قرینۂ کراہت کے پائے جانے کے باوجود) امام نووی رحمۃ اللہ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں لا حجۃ فی الحدیث لمن کرھھا لانہ لا یلزم من ترک الصلوۃ کراھتھا والاصل انہ لا منع حتی یثبت۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ مصفٰے شرح مؤطا میں لکھتے ہیں ماخذ دیگراں استصحاب مشروعیت صلوٰۃ است و نیافتن دلیلے کہ دلالت کند بر منع زیرا کہ ناکردن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم دریں حالت دلالت بر کراہت نمے تواند شد ترکِ فعلِ خیر نزدیک حضور دوامی آں دلیل کراہت نمے تواند شد۔ اور ردالمحتار میں بحر سے نقل کیا ہے لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذلا بد لہ من دلیلٍ خاص۔ اس پر شامی فرماتے ہیں اقول ھذا ھو الظاھر ولا شبھۃ فیہ۔ بالخصوص منع کے نہ وارد رہنے اور نفس نماز کے مشروع رہنے کے لحاظ سے لم یصل قبلھا ولا بعدھا کے لفظ صریح کے مروی رہنے کے باوجود بھی جب نماز کو جائز کہا جا رہا ہے۔ تو پھر ما نحن فیہ میں بالخصوص منع کے وارد نہ رہنے اور نفس ایصال ثواب کے مشروع رہنے اور بصورتہائے مذکورہ ایصال ثواب کے قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ پائے جانے کے ثبوت کی روایت صحیحہ کے موجود نہ رہنے کے باوجود ایصال ثواب مذکور فی الاستفتاء کی صورتوں کے جواز میں کلام ہی کیا باقی رہا۔ کسی طرح سے کسی کلام کے باقی رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ علاوہ براں ابتدائے بعثت سے لے کر انقضائے قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر تک نماز و حوائج بشریہ داخل خانہ و خواب کی مشغولی و مصروفی کے سوائے اوقات باقیہ شبا روزی میں آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جو جو افعال و اقوال و تقریرات کہ واقع ہوئی ہیں (وقت بہ وقت) وہ سب کے سب بالاستیعاب کتب متداولۂ احادیث میں قلمبند ہی کہاں ہیں۔ بالخصوص آنحضرتؐ کے روزانہ واقعات و حالات تمامی احادیث قولی

وفعلی وتقریری کو قلمبند کرنا یہ کام حضرات صحابۂ کرام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ مگر آنحضرتؐ کی ہمیشہ حضور باشی وفرمانبرداری اور آپ پر جان ومال نثاری اور نصرت وتائید واشاعت وحفاظتِ اسلام اور ضبط ونسق کاروبار ضروری وغیرہ ایسے فرائض اہمہ اُن کے گلے کے ہار بنے ہوئے تھے۔ کہ ہمہ تن رات دن اُنہی میں وہ مصروف رہے۔ اور آنحضرتؐ کے بعد میں انقضائے دورِ خلافت بھی انہی امور اہمہ کی مصروفیوں میں ہو گیا۔ انہی حضرات تقدّس صفات کی ثابت قدمی اولوالعزمی کی برکت تھی جو ہم پس ماندوں تک دین اسلام پہنچا بھی ورنہ صفحۂ ہستی روزگار سے حرفِ غلط کی مانند اسلام کب کا مٹ گیا ہوتا۔ یہی وجہ وجیہہ تھی جو بالاتفاق مسلّم ہے۔ کہ تدوین و تسطیر کتب حدیث ایک سو چالیس ہجری کے بعد میں چھٹے اور ساتویں طبقے کے لوگوں کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ اور یہ بھی مسلّم بالاتفاق ہے۔ کہ ہر کتابِ حدیث کے جامع نے اپنی تمام احادیث محفوظ ومحررہ کو اپنی کتاب میں بالاستیعاب نہیں داخل کیا ہے۔ بلکہ اپنے مقرّر کئے ہوئے شروط وقواعد وضوابط کی اتباع کے لحاظ سے اپنی احادیث محفوظ میں سے جن کو مطابق پایا اُنہی کو اپنی کتاب میں لکھا اور داخل کیا اور باقی کی ہزاروں۔ لاکھوں احادیث صحاح وحسان کو باوجودیکہ وہ بھی شیوخ معتمدین سے ہی لی گئی تھیں نظر انداز کر دیا۔ کتابوں میں داخل نہیں کیا۔ ایک امام بخاری علیہ الرحمۃ کے ہی حال کو دیکھیے۔ آپ کو تین لاکھ احادیث یاد تھیں۔ مگر اپنے شروط وضوابط کی اتباع کرتے۔ وہ اپنی جامع میں تسلیم مکررات کے باوجود سات ہزار دو سو پچھتر حدیثوں سے زیادہ نہ داخل کر سکے۔ حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں۔ کہ مجھے صحیح حدیثیں لاکھ بھر یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح۔ اور جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک احادیث حسان غیر صحیح ہیں داخل رہنے کے باوجود واجب التمسک مانی جاتی ہیں۔ پھر تو خود ہی امام مذکور کے اقرار سے ثابت ہو گیا۔ کہ محض اپنے مقرّر کئے ہوئے شروط وضوابط کی پابندی کے لحاظ سے جامع صحیح کے مرتب کرنے کے وقت تو ۹۲۷۲۵ (نوے ہزار سات سو پچیس) صحیح حدیثیں اور ان کے علاوہ کئی ہزار احادیث حسان جو قابلِ تمسک واعتماد تھیں بلکہ واجب التمسک تھیں۔ نظر انداز کر دی گئیں۔ کتاب میں نہیں لکھی گئیں۔ امام صاحب موصوف اگر ان باقیماندہ احادیث صحاح کو ہی کتابوں میں لکھتے اور جمع کر دیتے۔ تو غالباً کتاب صحیح بخاری کی جیسی ضخیم اور بارہ تیرہ کتابیں صرف احادیث صحاح کی ہی موجود ہو جاتیں۔ اور ماسوا اس کے کیا عجب تھا جو احادیث حسان کے بھی جمع کرنے سے پانچ سات کتابیں اور ایسی ہی موجود ہو جاتیں اور پیروانِ سنّت نبوی متبعین فرمان محمدی پر کتنا بڑا احسان ہوتا۔ اسی پر اور جامعین احادیث کا حال بھی خیال کیا جا سکتا ہے ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ محدثین کی اصطلاح میں حافظ الحدیث کا لفظ اُسی شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ جس کو لاکھ بھر احادیث مع اسناد یاد ہوں۔ اور مؤلفین صحاح ستّہ کے علاوہ بیسیوں حفاظ حدیث کتب اسماء الرجال میں بھرے پڑے ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو سات لاکھ حدیثیں یاد تھیں جن میں صحت کی بھی قید ہے مگر بتائیے تو کہ کیا ان کی مسند میں اس قدر حدیثیں ہیں بھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ کا حال بھی قریب قریب امام بخاری کے ہی ہے۔ اُنہوں نے بھی تین لاکھ حدیثوں میں سے اپنی صحیح کا انتخاب کیا ہے +

الحاصل اصل مطلب یہ ہے کہ محدثین علیہم الرحمۃ نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جو جو شروط کہ احتیاط کے خیال سے مقرر فرمائے ان کی پابندی کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں حدیثیں قابلِ اعتماد و استناد بھی اُن کی کتابوں میں داخل نہ ہو سکے نظر انداز کر دیے گئے۔ مزید برآں یہ بھی مسلم بالاتفاق ہے۔ کہ زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں روایت حدیث کی غالباً یہ صورت نہیں تھی جو جامعین احادیث فی الکتب کے زمانہ میں جاری تھی۔ کہ حدیث کے طالبین اپنے شیوخ کی خدمت میں جمع ہوتے تھے۔ اور شیوخ اپنی احادیث محفوظہ کو مع طرق و اسناد پڑھ کر سُنا دیا کرتے تھے۔ برخلاف زمانہ صحابۂ کرام کے۔ کیونکہ اُن کے وقتوں میں تلاشِ حدیث کی یا روایت حدیث کی وقوعِ ضرورت پر موقوف تھی۔ یعنی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر یا فصل قضایا میں جب حدیث کے پیش کرنے کی ضرورت پڑتی۔ تو اُس وقت حدیث پیش کی جاتی تھی۔ انہی جیسی اور بہت سی وجوہات کی بناء پر محققین کا یہ قول متفق علیہ ٹھیر گیا ہے۔ کہ ہمارے نزدیک قرون مشہود لہا بالخیر میں کسی کام کے پائے جانے کے ثبوت کا (بہ ہیئتِ کذائی) من حیث الروایت نہ ملنا فی الواقع قرون مذکورہ میں اس کام کے مطلقاً نہ کئے جانے کے ثبوت کا ہرگز ہرگز مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ عدم ثبوت کسی طرح سے ثبوتِ عدم کا مستلزم نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا آج کوئی شخص یہ دعوے کر بھی سکتا ہے۔ کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ایک قول و فعل و تقریر کی اور ہر ہر صحابیؓ کے ہر ایک قول و فعل و تقریر کی تمام روائتیں صحیح النقل بالاستیعاب ان کتب مدوّنۂ متداولۂ حدیث میں موجود و منحصر ہیں ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی کرے بھی تو واقعات صحیح النقل بالا اُس کو قابلِ تسلیم نہیں ٹھیراتے۔ بلکہ اسکی تکذیب کرتے ہیں۔ تو پھر یہ ہمارا عدم ثبوت یعنی ایصالِ ثواب کی ان صورتوں سے قرون مذکورہ میں ثواب رسانی کے کئے جانے کی روایت کا نہ ملنا اس بات کو کیونکر ثابت کر سکتا ہے۔ کہ قرون مذکورہ میں ثواب رسانی کے کام ان صورتوں سے یا اور صورتوں سے مطلقاً نہیں کئے جاتے تھے۔ ہرگز نہیں ثابت کر سکتا۔ کیونکہ عدمِ ثبوت ثبوتِ عدم کا مستلزم نہیں ہے۔ علاوہ برآں حدیث ابوداؤد میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اپنی والدہ مرحومہ کی ثواب رسانی کے لئے آنحضرتؐ کے فرمان سے پانی کا کنؤاں کھُدوانا اور ھذا لام سعد کا آوازہ لگا دینا اور حدیث بخاری میں مرحومہ کے لئے حج کا کروایا جانا۔ اور نسائیؒ کی حدیث میں ثواب رسانی کے لئے غلام کا آزاد کروایا جانا اور بھی بخاری کی حدیث میں ثواب رسانی کے لئے صدقات کا دلایا جانا۔ اور اور حدیثوں میں والدین کی ثواب رسانی کے لئے تصلی لہما مع صلواتک وتصوم لہما مع صومک اور ایک روایت میں تصلی عنہما مع صلواتک وتصوم عنہما مع صومک وتصدق عنہما مع صدقتک وارد ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد اور بیہقی سے عاصم بن کلیب کی روایت میں موتے کی ثواب رسانی کے لئے ایک عورت کا کھانا کرنا۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مع ساتھیوں کے کھانے کے لئے اُس کے گھر جانا اور اُس مجلس میں حضرت کے ایک معجزہ کا ظاہر ہونا یعنی آنحضرتؐ کا خبر دینا کہ یہ گوشت ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے۔ بنا بر آں بعد چبانے کے لقمہ کا اپنے مُنہ مبارک سے نکال دینا مروی ہے۔ اور انجاح الحاجہ میں یہ حدیث عاصم بن کلیب کی

سنن ابوداؤد سے منقول ہے ۔چنانچہ عبارت اُس کی یہ ہے ۔ فاما صنعۃ الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلا باس بہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل دعوۃ المرأۃ التی مات زوجہا کما فی سنن ابی داؤد جبکہ یہ تمام امور خود زمانہ خیر القرون میں ہی پائے گئے ہوئے ہیں تو پھر کوئی مرد صحیح الایمان کس منہ سے اور کونسی زبان سے کہہ سکتا ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں مردوں کی ثواب رسانی کے لئے نہ مساکین کھلائے جاتے تھے نہ صدقہ وخیرات دی جاتی تھی نہ کچھ پڑھ کر ثواب بخشا جاتا تھا ۔ اگر مانعین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کسی صحابی یا تابعی کی کوئی روایت صحیح النقل پیش کریں ۔ کہ ہمارے وقتوں میں مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے یہ کچھ (جو اوپر مذکور ہوا) نہیں کیا جاتا تھا ۔ ورنہ پھر اس دعویٰ بے دلیل کا کوئی حرف زبان پر نہ لائیں ۔ کریمہ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا کو پیش نظر رکھیں ۔ اور جب سنت صحیحہ سے یہ تمام امور مذکورۂ بالا خود مروی ہیں ۔ تو پھر ایصالِ ثواب کی مذکورہ صورتوں کو ما لیس علیہ امرنا میں داخل اور سنّت و دین سے خارج ۔ کوئی مسلمان صحیح الایمان کیونکر مان سکتا ہے ۔ ہرگز نہیں مان سکتا اور ثانیاً یہ کہا جائیگا ۔ کہ حدیث میں قرون مذکورہ کی خیریت کے ذکر کا مروی ہونا کیا کبھی اس مسئلہ کا مستلزم ہو بھی سکتا ہے ۔ کہ جو کچھ امور کہ اُن میں واقع ہوئے ہوں وہ سب کے سب ما یرضٰھما اللہ ورسولہ کے مصداق واقعی مانے جائیں حاشا وکلا ۔ کیونکہ پُرظاہر ہے کہ مبتدعین کے مذاہب باطلہ مثل خوارج ونواصب وقدریہ وجبریہ ومعتزلہ وغیرہ بھی انقضائے قرون مذکورۂ مشہود لہا بالخیر کے اندر ہی اندر پھیل گئے تھے ۔ کیا قرون مشہود لہا بالخیر میں ان کے پائے جانے کے سبب سے یہ سب کے سب حق اور ما یرضٰھما اللہ ورسولہ کے مصداق واقعی مانے بھی جا سکتے ہیں ہرگز نہیں مانے جا سکتے ۔ بلکہ اُن قرون میں بھی وہی امر حق مانا جاتا تھا جو مطابق کتاب وسنت کے ہوتا ۔ اور وہی امر باطل اور ممنوع مانا جاتا تھا ۔ جس پر کتاب وسنّت سے منع وارد ہوتی ۔ پس ایصال ثواب کی مذکورہ صورتوں کا بالتخصیص دلائل سمعیۂ خاصہ سے ۔ اگر ممنوع یا منہی عنہ ہونا یعنی حرام یا مکروہ تحریمی ہونا ثابت ہے تو اُس کو پیش کریں تاکہ بالوس والعین اس کو تسلیم کر لیا جائے ورنہ جو امر کہ منہی عنہ یعنی ممنوع فی الشرع نہیں (یعنی دلائل سمعیۂ مذکورہ سے اسکی حرمت یا کراہت تحریمی ثابت نہیں ہے) یعنی خدا نے یا اُس کے رسول نے اُس کو منع نہیں فرمایا ہے ۔ تو پھر آج اُس سے منع کرنے کا اختیار کسی غیر مثل ما وشما کو کب حاصل ہے ۔ ہرگز حاصل نہیں ۔ اور ثالثاً یہ کہا جائیگا ۔ کہ لفظ وشر الاصور محدثاتھا کا عموم جس طرح پر کہ مانعین کے خیال میں ہے (یعنی ہر نئی صورت خواہ کسی امر خیر کی ہو یا کسی امر شر کی سب کے سب بدعت ضلالت میں داخل ہیں) ہرگز مسلّم نہیں ۔ کیونکہ صحیح مسلم میں من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا ۔ الحدیث ۔ عموم مذکور کے لئے معارض صحیح موجود ہے ۔ لہٰذا لفظ محدثات مذکور کو ما لا یرضٰھما اللہ ورسولہ پر (جو حدیث صحیحۂ من ابتدع بدعۃ ضلالۃ (بالاضافۃ) لا یرضٰھما اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم الحدیث میں وارد ہے ۔ جس کی روایت ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے) محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے ۔ اور پُر ظاہر ہے ۔ کہ ما لا یرضٰھما اللہ ورسولہ وہی امر ہوگا جو کتاب وسنّت کے مخالف ہوگا ۔ کیونکہ کسی امر میں جب تک کہ خدا و رسول کی یعنی کتاب وسنّت کی مخالفت نہ پائی جائے تب تک

اُس امر پر مالا یرضیہما اللہ ورسولہ کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جب سنت حسنہ یعنی طریقۂ حسنہ کے احداث واستنان کے لئے خود ہی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا امر اور اُس پر آخرت کا اجر دونو بھی حدیث صحیح مذکور میں موجود ہیں۔ تو وہ طریقۂ حسنہ محدثہ ما لیس علیہ امرنا میں یا ما لیس منہ میں یا ما لا یرضیہما اللہ ورسولہ میں کیونکر داخل ہوگا۔ ہرگز داخل نہیں ہوسکتا۔ اگر اس وقت میں یہ کہا جائے۔ کہ حدیث مسلم مذکور میں لفظ سنۃ حسنۃ سے مراد سنت نبوی ہے جو مُردہ ہوگئی ہے۔ یعنی لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں من احیا سنتی کا لفظ موجود ہے تو جواب میں کہا جائیگا۔ کہ جس قدر سنن نبویہ ہیں۔ وہ سب کی سب قطعاً حسنہ ہی ہیں۔ باآں علامت تنکیر کے ساتھ لفظ حسنہ کی قید۔ لفظ نکرہ سنۃ کے ساتھ کیوں لگائی گئی ہے۔ حالانکہ سنت نبویہ کبھی سیئہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اور علاوہ براں اوسی حدیث مسلم میں آگے کے جملہ میں من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کا لفظ صراحت کے ساتھ مروی ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے تو اپنی صحیح میں باب اثم من دعا الی ضلالۃ او سن سنۃ سیئۃ کا ایک مستقل باب ہی مقرر کیا ہے۔ اور اس میں ابن آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث نقل کی ہے۔ اور آخر میں شیخ المحدثین سفیان رحمہ اللہ کا لفظ صریح لانہ من سن القتل اولاً کا نقل کیا ہے۔ پھر تولا محالہ حدیث مذکور مسلم میں لفظ سنۃ کے معنیٰ طریقہ کے ہی متعین اور ثابت ہو گئے۔ پس واضح ہو گیا۔ کہ لفظ مذکور محدثات کا عموم جیسا کہ مانعین نے خیال کیا ہے ہرگز مسلّم نہیں۔ کیونکہ عموم مذکور کے لئے من سن سنۃ حسنۃ کا معارض صحیح موجود ہے ورنہ وجہ تطبیق کے موجود رہنے کے باوجود ایک نص ثابت شرعی کو ساقط اور بے اعتبار کردینا لازم آئیگا۔ اور وہ باطل قطعی ہے۔ دیکھو کتابت حدیث کی ممانعت میں لفظ صریح لا تکتبوا عنی الا القرآن کے موجود رہنے پر بھی ائمۂ دین جلیل القدر محدثین رحمہم اللہ نے احادیث نبویہ کو با جدوکد اور سعی بلیغ اپنی کتابوں میں کیوں اور کس لئے جمع کیا۔ محض اسی لئے لکھا اور اسی بناء پر جمع کیا کہ بالتصریح فلیبلغ الشاھد الغائب معارض صحیح موجود تھا۔ لہٰذا حدیث لا تکتبوا کو نزول وحی اور کتابت وحی کے زمانہ پر محمول کرنا پڑا۔ کہ کہیں کلام نبوی اور کلام الٰہی باہم مخلوط نہ ہوجائیں۔ پیشوائے محدثین امام مالک رحمہ ورحمہم اللہ کے نزدیک جب طالبین حدیث جمع ہوتے۔ تو آپ غسل فرماتے پھر دھوئے ہوئے صاف کپڑے پہن لیتے اور سر پر عمامہ رکھ لیتے اور کپڑوں کو خوشبو سے معطر کر لیتے پھر اونچے منبر پر بیٹھ کر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سُناتے تھے۔ اور بڑے بڑے محدثین جلیل القدر بلا نکیر واعتراض سرِ تسلیم خم کئے ہوئے احادیث مرویۂ امام موصوف کو لکھ لیتے تھے۔ کیا یہ تعظیم وتعلیم حدیث نبوی کی نئی صورت اور نیا طریق اور نئی ترتیب نہیں تھی؟ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنی جامع صحیح میں ہر حدیث کے لکھنے پر غسل فرماتے۔ پھر ایک دوگانہ نفل پڑھ لیتے۔ پھر حدیث صحیح کو اپنی جامع صحیح میں لکھتے تھے۔ کیا یہ کتابت حدیث کی تعظیمی نئی صورت اور نیا طریق اور نئی ترتیب نہیں تھی؟ قطعاً تھی ہی۔ اور بڑے بڑے جلیل الشان جامعین احادیث مثل امام بخاری ومسلم نیشاپوری نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تنقید وصحت حدیث کے متعلق الگ الگ شروط وقیود مقرر کرکے اُنہی شروط مقررۂ خود کے مطابق اپنی احادیث محفوظہ میں سے جن کو پایا اُنہی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع اور درج کیا

اور ان کی ہزاروں لاکھوں صورتوں کو موجود کیا۔ وہ تمام صحیح احادیث جن کی شیوخ سے ہی لی گئی تھیں۔ پایۂ اعتبار سے
ساقط کر دیا۔ اور ایسی کتابوں میں داخل نہیں کیا گیا۔ یہ تنقیح و تصحیح حدیث کے نئے نئے طریق اور نئی نئی صورتیں
اور نئی نئی ترتیبیں نہیں تھیں؟ بے شک نہیں تھیں اور باوجودیکہ صحابۂ کرام و تابعین عظام کے وقتوں میں ارسال
بلا انقطاع مقبول تھا۔ اور من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ اور من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو
رد۔ یہ احادیث بھی معروف و مسلم تھے ہی مگر بعد میں نئے سرے سے متن حدیث کے اسناد کے اتصال کو کیا دین میں
داخل نہیں کر لیا گیا مقبول کر لیا گیا ہے۔ یہ سب کیوں اور کس لئے جائز مانا گیا۔ محض اسی لئے کہ محدثات امور کے
عموم کے لئے معارض صحیح من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ ثبوت صحیح کے ساتھ موجود تھا۔ ایسے ہی اور بہت سے
وجوہات کی بنا پر مجتہدین و محدثین بالاتفاق اور علی العموم ما من عام الا و قد خص منہ البعض کے قائل
ہو گئے ہیں اگر بعض صورت اور ترتیب کے نئے رہنے کے سبب کوئی امر خیر عام غیر مقدر و غیر محصور بھی فی الواقع ما
لیس علیہ امرنا میں داخل مانا جائے اور اس کا مصداق قرار دیا جائے تو یہ تمام بزرگوارانِ دین۔ ائمۂ شرع متین
مجتہدین و محدثین رحمہم اللہ اجمعین جن کی وساطت سے ہی ہم کو دین پہونچا ہے سب کے سب معاذ اللہ
ام لھم شرکاء شرعوا لھم الدین ما لم یأذن بہ اللہ کی وعید شدید میں تحریر بالغین کے بموجب داخل
مانے اور جانے جاتے۔ حاشا للہ۔ اللہ کی پناہ۔ کسی مرد صحیح الایمان کی ہرگز یہ شان نہیں کہ ایسی جسارت بیجا
کا مرتکب ہو۔ گو کہ یہ تمام مذکورہ صورتیں قطعاً نئی تھیں ہی۔ اور یہ اوضاع اور طرق اور ترتیبات سبھی بے شک
نئے تھے ہی۔ مگر فرمان نبوی صلعم من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ کے امر عام کے تحت میں داخل تھے ہی۔ اسی لئے
اور اسی بناء پر ما لیس علیہ امرنا اور ما لیس منہ میں داخل اور سنت و دین سے خارج نہ مانی گئیں اور نہ جانی
گئیں جبکہ حدیث مذکور میں طریقۂ حسنہ کے احداث و استنان کا امر ترغیبی اور اس پر ترتیب اجرِ اُخروی۔ یہ دونوں
فرمان حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود و مذکور صریح ہیں ہی۔ تو پھر امور مذکورہ بالا ما لیس علیہ امرنا
اور ما لیس منہ میں کیونکر داخل اور سنت و دین سے کیونکر خارج مانے جا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں مانے جا سکتے
لفظ خارج السنۃ کا اطلاق اُن پر کرنا خود ہی خارج عن السنۃ والدین ہے۔ وجہ اصلی اس کی یہ ہے کہ کریمۂ
قطعی الثبوت والدلالۃ ما اتاکم الرسول فخذوہ کے حکم کے بموجب حدیث صحیح من سن فی الاسلام سنۃ
حسنۃ فلہ اجرھا کا تسلیم کر لینا ہم پر فرض ہے ہی۔ کیونکہ اس میں استنان طریقۂ حسنہ کا امر موجود ہے۔ اور
علاوہ بر آں کریمۂ قطعی الثبوت والدلالۃ ما نھٰکم عنہ فانتھوا اور فرمان نبوی اذا نھیتکم عن شیٔ فاجتنبوہ
(صحیح بخاری) کے مطابق غیر منہی عنہ سے پرہیز کرنا ہم پر بالقطع ہرگز واجب نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ قرآنی فانتھوا کا
تعلق لفظ ما نھٰکم عنہ کے ساتھ ہی اور لفظ نبوی فاجتنبوہ کا تعلق لفظ نبوی اذا نھیتکم عن شیٔ کے ساتھ
ہی مختص بالنص ہے۔ غیر منہی عنہ کے ساتھ فانتھوا اور فاجتنبوا کا تعلق نص قرآنی و نص نبوی میں ہے ہی نہیں
پھر تو متعین ہو ہی گیا۔ کہ جب تک کسی امر کا بالخصوص کتاب و سنت سے منہی عنہ ہونا ثابت نہ ہو لے تب تک اُس

سے ممانعت کے حکم کے جاری کرنے کے لئے ہمارے نزدیک تو کیا بلکہ ہر ایک صاحبِ قلبِ سلیم کے نزدیک
بھی کوئی دلیل شرعی ہے ہی نہیں۔ بناءً علیٰ ھذا مانعین پر **واجب** ہے۔ کہ بعد سنن و نوافل باجماعت امام
کا دعا کرنا اور بعد ختم دعا کے قراءۃ سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود شریف وغیرہ کے ساتھ **ایصال** ثواب بارواحِ
مومنین کرنا اور گیارہویں۔ بارہویں۔ سوم۔ دہم۔ چہلم برسی وغیرہ دنوں میں للہ مساکین مومنین کو کچھ کھلا کر صدقہ
و خیرات دیکر ثواب رسانی کرنا کسی آیت مفسرہ یا محکمہ قرآنی سے یا کسی حدیث متواترہ قطعی الدلالہ بلا معارض
سے یا کسی آیت مؤوّلہ قرآنی سے یا کسی حدیث آحاد قطعی الدلالہ بلا معارض سے فی الواقع بالتخصیص منہی عنہ
اور ممنوع یعنی حرام یا مکروہ تحریمی ہے۔ تو اُس کو پیش کریں۔ بالراس والعین قابل تسلیم مانا جائے گا۔
کیا بلکہ فوراً سے بھی پیشتر ہی تسلیم کر لیا جائیگا۔ **ورنہ** یعنی صورتہائے مذکورۂ استفتاء کی حرمت یا کراہت تحریمی
کو بالتخصیص کسی دلیل سمعی خاص سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ شانہٗ کبھی کر ہی نہ سکینگے بھی۔ تو
اپنے اس دعویٰ بے دلیل (ممانعت) سے حِسبَۃً للہ عزوجلّ باز آئیں ضرور باز آئیں۔ کیونکہ مالم ینھیٰ عنہ کو ماںھُلم
عنہ میں داخل اور سنّت و دین سے خارج قرار دینا بھی فی الواقع شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ
اور مَن حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ کی وعید شدید کا موجب قطعی اور تشریع جدید یقینی ہے ہی اور ہیں
خداوندِ کریم ہم کو اور سب مسلمانوں کو اور خاص کر اہلِ علم کو اس بلائے مہلکِ ایمان روز افزوں بے درمان سے
بچائے۔ آمین ثم آمین۔ **ہاں** جو کوئی نیا امر اور نیا کام ایسا ہو جو ادلۂ اربعۂ شرعیہ مشہورہ کتاب و سنت و
اجماع و قیاس صحیح میں سے کسی دلیل کے **مخالف** ہو وہ کام البتہ ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع ضرور ہوگا ہی۔
کیونکہ مخالفت کتاب و سنّت کے سبب سے اُس کا مالا یرضیٰہا اللہ و رسولہ میں سے ہونا پُر ظاہر ہے۔ اور جو
مالا یرضیٰہا اللہ و رسولہ کا مصداق ہوگا وہی مالیس منہ اور مالیس علیہ من امرنا میں داخل اور سنّت
و دین سے خارج ہوگا ہی۔ کیونکہ مخالفت کتاب و سنّت کے پائے جانے کے سبب سے جو کام کہ خدا اور رسولؐ
کے نزدیک ناپسند ٹھیرے۔ وہ کسی طرح پر مامور بہ یا مامور بہ کی جنس سے ہرگز شمار نہیں کیا جا سکتا۔ **بدعۃ
ضلالۃ۔ سنّت سیئہ۔ ضلالت۔ بدعت سیئہ** اُسی کا نام ہے۔ اور **محدث مذموم** جس کی تفسیر رسولِ خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے لفظ صریح مالیس منہ ای من الدین سے فرمائی ہے۔ سو وہی ہے۔ اور اُسی کی تفسیر صحیح
مسلم کی حدیث میں من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کے لفظ صریح سے آئی ہے۔ اور امام بخاریؒ کے مقرر
کئے ہوئے باب اثم من دعی الی ضلالۃ میں اسی لفظ ضلالت کی تفسیر او سن سنۃ سیئۃ کے لفظ صریح
سے کی گئی ہے وہی مکمل تعریف بدعت ضلالۃ کی جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں الفاظ صریحہ من ابتدع بدعۃ
ضلالۃ (بالاضافۃ) لا یرضٰہا اللہ و رسولہٗ کان علیہ من الاثم الحدیث سے وارد ہے۔ پس اصلی اور
صحیح تعریف **بدعۃ ضلالۃ** کی جو خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے فرمائی گئی ہوئی ہے
سو اُس کی توصیف میں اُس کا لا یرضٰہا اللہ و رسولہ ہونا بالتصریح مروی ہے۔ اور اربابِ عقل و نقل کے

نزدیک بالاتفاق یہ امر مسلم ہے۔ کہ جس کسی کام سے جس کسی شخص کو منع کیا جائے۔ تو مانع کی طرف سے اس کام کی توضیح
اور تصریح اور تعریف اور تعیین ضروری ہے۔ تاکہ ناظرین پر حجت ختم اور قائم ہو جائے۔ اور اُس کو کسی طرح
سے عذر کی جائے باقی نہ رہے۔ یہی وجہ تھی جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محدثات مذمومہ کی تعریف بدعۃ
ضلالۃ (بالاضافت) کے لفظ کے ساتھ جس کی صفت موضحہ لا یرضاہا اللہ ورسولہ ہے۔ بیان فرمادی اور
سنۃ سیئۃ کے لفظ سے اور دعی الی ضلالۃ کے لفظ سے اور ما لیس منہ (من الدین) کے لفظ سے اُس
کی تحدید اور تعریف فرمادی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ خدا ورسول اُسی کام سے ناخوش ہونگے جو گمراہی کا ہو۔ اور یہ
بھی پُر ظاہر ہے۔ کہ گمراہی خدا ورسول کی مخالفت میں ہی منحصر ہے۔ اِسی لئے امام شافعیؒ اور دوسرے ائمۂ
محدثین ومجتہدین رحمہم اللہ نے بدعۃ ضلالۃ کی تعریف ما خالف کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ او الاجماع
او القیاس الصحیح کے الفاظ صریحہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت نفس الامر میں اُسی کا
نام ہے جو بروایت ابن ماجہ و ترمذی من ابتدع بدعۃ ضلالۃ (بالاضافت) لا یرضاہا اللہ ورسولہ
کان علیہ من اثم الحدیث کے الفاظ صریحہ کے ساتھ مروی ہے۔ اب رہ گیا یہاں پر ایک سوال۔ سو وہ یہ
ہے۔ کہ حدیث صحیح میں کل محدثات بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ کا لفظ مروی فی الحدیث ہے۔ جس کی روایت
امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے۔ پھر تو محدثات کے عموم کے تسلیم کرنے کے سوائے
کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ تو جواب اُس کا یہ ہے۔ کہ بیشک یہ صحیح ہے کہ کل محدث بدعۃ اور کل بدعۃ ضلالۃ
کے الفاظ مروی فی الحدیث ہیں۔ مگر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس امر کی تحدید بھی کہ بدعت ضلالت کا
اطلاق جس پر کیا گیا ہے۔ تفسیر وتوضیح وتعریف بھی فرمادی ہے جو بخاری اور مسلم دونو کی متفق علیہ روایت میں
ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد چونکہ تمامی ائمہ سلف وخلف صالحین دین محمدی اس امر
میں متفق القول ہیں۔ کہ اس حدیث میں لفظ امرنا ھذا سے مراد دین محمدی ہے تو پھر ما لیس منہ کے معنے بالتصریح
ما لیس من الدین کے ہی ہوئے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ اصل دین محمدی کتاب وسنت کا ہی نام ہے۔ اور یہ بھی ظاہر
ہے کہ محاورۂ عرب اور لسان شرع میں لیس منہ کا لفظ امر مخالف کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرتؐ کے الفاظ لیس
منی اور لیس منا سے ظاہر ہے۔ پس لیس من الدین کے مخالف دین یا مخالف کتاب وسنت کے ہوئے۔ اور اسی کی موید
ہے۔ وہ حدیث کہ امام احمدؒ نے جس کی روایت کی ہے ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ۔ اور وہ
حدیث بھی کہ دارمی نے جس کی روایت کی ہے ما ابتدع قوم بدعۃ الا نزع اللہ من سنتہم مثلہا۔ ان
دونو حدیثوں سے بھی واضح ہے کہ بدعت مخالف سنت ہے۔ اس لئے کہ احداث بدعت کو موجب رفع سنت کہا
گیا ہے۔ شیوع بدعت کو جب موجب رفع سنت کہا گیا ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ ان حدیثوں میں لفظ بدعت سے
وہی بدعت مراد ہے جو مخالف سنت ہے۔ اور حدیث فمن رغب عن سنتی فلیس منی بھی شاہد قطعی ہے اس امر
پر کہ سنت سے منہ پھیرنے والا آنحضرتؐ کا مخالف ہے جو آپ کے گروہ سے خارج ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ

جو امر کہ مخالفِ دین یعنی مخالفِ کتاب و سنت ہوگا۔ اُسی پر لفظ لیس من الدین کا اطلاق کیا جائیگا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا۔ کہ وہی محدث مذموم ہے جو مخالفِ دین یا مخالفِ کتاب و سنت ہے۔ اور جو امر کہ مخالفِ دین یا مخالفِ کتاب و سنت ہو۔ اُسی کی صفت لا یرضاہا اللہ و رسولہ ہے۔ لہٰذا کل محدثۃ بدعۃ اور کل بدعۃ ضلالۃ کو ما لیس من الدین یعنی مخالفِ دین یا مخالفِ کتاب و سنت پر جس کی صفت لا یرضاہا اللہ و رسولہ وارد ہوئی ہے محمول کرنے کے سوائے کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ ورنہ وجہ تطبیق کے موجود رہنے کے باوجود نصوص ثابتہ صحیحہ کا ساقط الاعتبار ٹھیرانا لازم آئیگا۔ اور وہ باطل قطعی ہے۔ پھر تو اچھی طرح سے ظاہر ہوگیا۔ کہ کسی نئے نکلے ہوئے کام ہیں جب تک کہ کتاب و سنت کی مخالفت نہ پائی جائے تب تک وہ کام خدا و رسول کے نزدیک ناپسند موجبِ ناخوشی نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ اور یہ کسی طرح سے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ خدا و رسول اس کام سے ناخوش ہیں۔ کیونکہ طریقۂ حسنہ کے جاری کرنے کے لئے امر اور اس پر اجر یہ دونو بھی حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بتصریحِ الفاظ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا وارد اور ثابت ہو چکے ہیں یہی وجہ تھی جو ائمہ محدثین و مجتہدین نے ایسے کام کی تصریح ما خالف کتاب اللہ او سنت رسول اللہ کے الفاظ صریحہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ اور فرمانِ نبوی ما لیس منہ (من الدین) ما لیس علیہ امرنا۔ ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ بھی اُنہی کے قول مذکور کی مؤید واقعی ہے بھی۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ بدعت مخالفِ سنت کا نام ہے۔ کیونکہ احداث بدعت کو موجبِ رفعِ سنت ٹھیرایا گیا ہے خداوند کریم ایسی تمام بدعتوں سے جو ناپسندیدہ خدا و رسول یا اُن کی ناخوشی کی موجب ہیں۔ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اور خاص کر اہلِ علم کو بچائے۔ آمین ثم آمین۔ کیونکہ پُر ظاہر ہے۔ کہ ما نہٰکم عنہ کو ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ کی مانند اختیار کر لینا بھی دراصل شرعوا لہم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ کی وعید شدید میں داخل یقینی اور تشریعِ جدید واقعی اور من عصی اللہ و رسولہ کا مصداق قطعی بنتا ہے۔ فاعتبروا ایہا الناظرون۔

چھٹا قول (یہ مسائل متعلقۂ استفتاء اور ان کی مانند سوم۔ دہم۔ چہلم برسی وغیرہ ادلۂ شرعیہ سے جب مطابق کئے جائیں۔ تو کسی دلیل شرعی کے تحت میں داخل نہیں ہیں) اس قول کی غلطی قولِ پنجم کی تحقیق سے بخوبی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ ہر طرح کی دعائے خیر خواہ اپنے لئے ہو یا کہ اعانت و امداد مومنین سابقین کے لئے اور خواہ فرداً فرداً کی جائے یا کہ جماعت کے ساتھ کی جائے۔ کریمۂ قطعی الثبوت والدلالۃ ادعونی استجب لکم اور ادعوا دیگر سے ثابت اور اس کے تحت میں قطعاً داخل ہے۔ جس کا انکار کوئی اہلِ علم ہرگز نہیں کر سکتا اور سورۂ فاتحہ اور اخلاص اور درود شریف کے پڑھنے پر اور للہ کھلانے پلانے۔ صدقہ و خیرات دینے دلانے پر احادیث صحیحہ میں اجر و ثواب کے دئے جانے کی خوشخبری کے موجود رہنے کے علاوہ کریمۂ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کا فرمانِ الٰہی ثوابِ اُخروی کا موجب اور مثبت ہے۔ اور عورتوں کی تذکیر و تعلیم کے ان کی درخواست فاجعل لنا یوماً پر اُن کے لئے آنحضرت صلعم کے ایک دن کے مقرر کرنے سے اس کام کار کے لئے وقت کی

تعیین بھی ثابت فی الشرع ہے۔ ممنوع عنہ نہیں ہے۔ پھر با ایں ہمہ ثبوت واضحہ از کتاب وسنت امور مذکورۂ استفتاء کے متعلق یہ کہنا کہ کسی دلیل کے تحت میں داخل نہیں ہیں۔ محض لغو اور غلط صریح اور مکابرۂ قبیح اور خالص ہٹ دھرمی یا عوام اُردو خوان مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے سوا اور کچھ تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یہ فقرہ بزجواس قول ششم کے ذیل میں کی گئی ہے۔ سو قول مذکور میں لفظ (ادلۂ اربعہ) پر سے یہ قاعدۂ العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص الواقعۃ کے مطابق کی گئی ہے۔ اب خصوص واقعہ ما نحن فیہ کے لحاظ سے گذارش یہ ہے کہ جواب استفتاء مذکورہ میں جو ادلۂ اربعہ کہ ذکر کئے گئے ہوئے ہیں وہ ادلۂ اربعہ سمعیہ ہیں۔ کہ جن سے افتراض یا تحریم۔ وجوب یا کراہت تحریمی۔ مسنونیت یا استحباب کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اور پہلی دلیل کے تحت میں فرائض یا محرمات داخل ہیں۔ اور دوسری اور تیسری دلیل کے تحت میں واجبات یا مکروہات تحریمی داخل ہیں۔ اور چوتھی دلیل کے تحت میں سنن یا مستحبات داخل ہیں اور امور مذکورۂ استفتاء کو جب آپ نے ان ادلہ کے ساتھ مطابق کیا۔ اور بعد مطابق کرنے کے آپ کو یقین بھی ہو گیا۔ کہ امور مذکورۂ استفتاء اور ان کے مانند سوم۔ دہم۔ چہلم۔ برسی وغیرہ دلائل مذکورہ میں سے کسی دلیل کے تحت میں داخل نہیں ہیں۔ اور اس کا بھی آپ کو یقین حاصل ہو گیا۔ کہ قائلین کے نزدیک بھی امور مذکورہ کا دلائل مذکورہ میں سے کسی دلیل کے تحت میں داخل نہ رہنا مسلم ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے قول مذکور میں فرما ہی دیا ہے (اور یہ قائلین کے نزدیک بھی مسلم ہے) ہاں بے شک قائلین کے نزدیک یہ امر مسلم بالقطع ہے۔ اور وہ بالتحقیق والتصریح کہتے ہی ہیں کہ امور مذکورہ فی الاستفتاء اور ان کے مانند امور مذکورۂ جناب ادلۂ اربعۂ سمعیۂ مذکورہ میں سے نہ تو پہلی دلیل کے تحت میں داخل ہیں اور نہ دوسری اور تیسری دلیل کے تحت میں داخل اور نہ چوتھی دلیل کے تحت میں کیونکہ اگر پہلی دلیل کے تحت میں داخل ہوتے تو فرض کہے جاتے یا حرام ٹھیرائے جاتے۔ اور اگر دوسری یا تیسری دلیل کے تحت میں داخل ہوتے تو واجب کہے جاتے یا مکروہ تحریمی قرار دئے جاتے۔ اور اگر چوتھی دلیل کے تحت میں داخل ہوتے تو مسنون کہے جاتے یا مستحب مانے جاتے۔ اسی وجہ سے تو قائلین کہتے ہیں۔ کہ امور مذکورۂ بالا اپنی موجودہ صورتوں کے ساتھ نہ تو فرض ہیں اور نہ حرام۔ اور نہ واجب ہیں اور نہ مکروہ تحریمی اور نہ مسنون ہیں اور نہ مستحب ہیں۔ بلکہ جائز ہیں۔ کیونکہ یہ قاعدہ مسلم بالاتفاق ہے۔ کہ ان دلائل سمعیہ میں سے جس چیز یا کام پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ تو وہ شئے مباح قرار دی جاتی ہے۔ جیسے کہ اس کی تصریح انشاء اللہ تعالی آگے آتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ جس کی حرمت یا کراہت تحریمی پر کوئی دلیل سمعی قائم نہیں۔ اُس کو ممنوع اور منہی عنہ نہیں کہا جا سکتا جبکہ امور مذکورۂ استفتاء اور ان کے مانند امور مذکورۂ جناب کے متعلق قائلین کے ہمزبان ہو کر خود جناب ہی فرما رہے ہیں۔ کہ یہ امور ان دلائل اربعۂ سمعیہ میں سے کسی دلیل کے تحت میں داخل نہیں ہیں۔ تو پھر جناب ہی از روئے انصاف بلا تعصب ارشاد فرمائیں۔ کہ آپ کے قول ششم مذکور میں حرف استدراک لیکن کے بعد آپ کا یہ لکھنا (انکی عدم صراحت کو جواز کی دلیل جو سمجھتے ہیں وہ کسی طرح جائز

نہ ہوگی) کیا فی الواقع کچھ مناسبت یا ربط رکھتا ہے۔ ہرگز نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ بحث ادلۂ شرعیہ سمعیہ کی ہے نہ مطلق ادلۂ شرعیہ کی۔ بلکہ جب آپ قائلین کے موافق خود ہی مقر ہیں۔ کہ امور مذکورہ ادلۂ اربعۂ سمعیہ میں سے کسی دلیل کے تحت میں داخل نہیں ہیں۔ تو پھر حرف استدراک مذکور کے بعد از روئے انصاف آپ کو یہ لکھنا تھا (لیکن اُن کی عدمِ صراحت کو حرمت کی دلیل جو سمجھتے ہیں وہ کسی طرح جائز نہ ہوگی) کیوں حسبتہ للہ کچھ کہئے تو کہ کیسی پتہ کی کہی ہے۔ افسوس ہے۔ کہ سخن کی داد دینے والا کوئی نہیں ہے ؏

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست۔ خیر۔ حضراتِ ناظرین۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ جو درمیان میں آہی گیا۔ مگر مزید فائدہ سے ہرگز خالی نہیں۔ اب آگے چلئے۔ اور مانعین کے جولانگاہِ سخن کا اعجوبۂ روزگار نظارہ فرمایئے۔ **ساتواں** قول (جس امر کا ثبوت جب اوامر میں نہیں ملتا۔ تو اُس کا حکم بقینی ممانعت ہے) یہ قول ابطل اباطیل اور غلط صریح ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت میں اوامر و نواہی کے سوائے ما سکت عنہ بھی ایک چیز موجود ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں دارقطنی سے یہ روایت موجود ہے۔ وسکت عن اشیاء من غیر نسیان۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان امور مسکوت عنہا سے باز رہنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اُن کے باب میں ایک روایت میں لفظ فلا تبحثوا عنہا۔ اور ایک روایت میں فھو مما عفی عنہ وارد ہوا ہے۔ **پس** غیر مامور بہ کو مطلقاً ممنوع اور منہی عنہ قرار دینا یعنی حرام یا مکروہ تحریمی کہنا صریحاً کتاب و سنت کا خلاف بلکہ افتراء علی اللہ والرسول ہے۔ جس کی وعید میں کریمۂ قطعی الثبوت والدلالہ ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا اور حدیث متواتر بالمعنے من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار وارد ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ خداوند کریم ہم کو اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو اور خاص کر اہلِ علم کو اس گناہِ عظیم مہلکِ ایمان سے بچائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ کیونکہ پر ظاہر ہے۔ کہ جو فعل کہ کسی دلیل سمعی شرعی سے اُس کا منہی عنہ ہونا ثابت نہیں۔ ایسے فعل سے باز رہنے کا حکم نہ تو خداوند کریم نے ہم کو دیا ہے اور نہ اُس کے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اس لئے کہ لفظ فانتھوا کا تعلق لفظ ما نھٰکم عنہ کے ساتھ ہی اور لفظ فاجتنبوہ کا تعلق لفظ اذا نھیتکم عن شیٔ کے ساتھ ہی مختص بالنص ہے۔ غیر منہی عنہ کے ساتھ فاجتنبوا اور فانتھوا کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان۔ یہی وجہ ہے جو جس امر کی فرضیت یا حرمت۔ وجوب یا کراہت تحریمی مسنونیت یا استحباب پر کوئی دلیل سمعی شرعی قائم نہ ہو۔ اُس امر کو مباح کہا جاتا ہے۔ اور اسی بناء پر جمہور اہلِ سنت وجماعت اشیاء و افعال میں اباحتِ اصلیہ کے قائل ہیں۔ الاصل فی الاشیاء والافعال الاباحۃ علمِ اصول کا مشہور مسئلہ ہے۔ برخلاف حرمت و کراہتِ تحریمی کے۔ کیونکہ حرمت یا کراہت تحریمی کے اثبات کے لئے دلیل خاص سمعی شرعی کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ردّ المحتار میں ہے قال فی البحر ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لا بد لھا من دلیلٍ خاصٍ۔ اقول ھذا ھو الظاھر ولا شبھۃ فیہ۔ اور شرح

مسلّم الثبوت میں ہے الدلیل الاباحۃ الاصلیۃ فانہ قد علم من الشریعۃ ان ما لم یقم علیہ دلیل فھو مباح بخلاف التحریم فانہ لابد لہ من دلیل بخصوصہ۔ اور بھی اُسی میں ہے کہ الاباحۃ الاصلیۃ لاتکون الا فی موضع عدم المدرک الشرعی للحرج فی الفعل وترکہ۔ وجہ اصلی اس کی یہ ہے کہ اشیاء وافعال کا خالق صرف خدائے عزوجل ہے۔ بندہ نہ کسی شے کا خالق ہے اور نہ کسی فعل کا خالق ہے یہی مذہب اہلِ سنّت وجماعت کا ہے۔ اہلِ سنت کے خلاف مُعتزلہ گروہ والوں کا کہنا یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے افعال کا آپ خالق ہے۔ اور کریمۂ قرآنی قطعی الثبوت والدلالہ واللہ خلقکم وما تعملون اُن کے قول کو رد کرتی ہے۔ اور گواہی دیتی ہے۔ کہ بندوں کے اعمال وافعال واقوال بھی خلقِ ایزدی عزّشانہ سے ہی پیدا ہوتے اور وجود میں آتے ہیں۔ پس کسی شے کو یا کسی فعل کو کہ جن کا خالق اور پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے حرام یا ممنوع ٹھہرانا بھی اُسی خدائے عزّوجل کا ہی حق ہے یا کہ اس کے رسول پاک کا حق ہے۔ کہ خدا نے جس کو بندوں کی ہدایت ورہبری کے لئے بھیجا صلّے اللہ علیہ وسلّم نہ کہ کسی دوسرے مثل ما وشما کا۔ یہی سبب تھا جو خدائے پاک عزوجل نے جبکہ کفار قریش نے اپنے اٹکل سے چند جانوروں کی سواری کو اور چند کے ذبح کرکے کھانے کو حرام ٹھیرا لیا۔ تو ان پر طعن کا اظہار کرتے ہوئے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا۔ کہ آپ اُن سے پوچھو من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبات من الرزق یہ کریمۂ قرآنی حجت قاطع اور دلیل ساطع ہے۔ اہلِ سنّت کی جو اشیاء وافعال میں اباحتِ اصلیہ کے قائل ہیں۔ اور اسی بناء پر جمہور حنفیہ وشافعیہ فرماتے ہیں عند عدم المدرک الشرعی بخصوصہ فی واقعۃ۔ مدرک شرعی للاباحۃ الشرعیۃ لدلالۃ الدلیل السمعی علیہ اور یہ دلیل سمعی شرعی جو اباحتِ اصلیہ پر دلالت کرتی ہے۔ سو یہی کریمۂ مذکورہ من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ الآیہ ہے۔ پھر تو ثابت ہوگیا۔ کہ کسی شے یا فعل کی حُرمت یا کراہتِ تحریمی کے ثبوت کے لئے دلیل خاص سمعی چاہیئے ہی۔ اور جب تک کہ کسی شے یا فعل کا منہی عنہ ہونا کسی دلیل خاص سمعی سے ثابت نہ ہولے تب تک اُس شے کو یا اُس فعل کو جائز یا مُباح جاننے اور ماننے کے سوائے کوئی چارہ ہی نہیں۔ اُس کو ممنوع یا ناجائز کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ پس مانعین کا قولِ مذکور (جس امر کا ثبوت جب اوامر میں نہیں ملتا۔ تو اُس کا حکم یقینی ممانعت ہے) محض لغو اور غلطِ صریح اور صریحاً مخالفِ کتاب وسنّت ہی ٹھیرا۔ آٹھواں قول (مسائل مذکورہ اگر صریح منع نہیں تو صریح جائز بھی نہیں ہیں) اس قول کی غلطی ساتویں قول کی تحقیق سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ حرمت وممانعت کے واسطے دلیل خاص سمعی کا ہونا ضروری ہے نہ کہ جواز کے لئے۔ اس لئے کہ اشیاء وافعال میں اباحتِ اصلیہ معتبر ہے۔ جس پر دلیل سمعی شرعی کی دلالت ثابت ہے۔ جیسے کہ تصریح اس کی گذر چکی۔ علاوہ بریں قول مذکور میں جب مسائلِ مذکورہ کے ممنوع نہ ہونے کا اقبال موجود ہے تو پھر ان کے عدم جواز کا قول کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ کیا عدم ممنوعیت اور عدم جواز یہ دونوں ارتفاع نقیضین یا اجتماع ضدین نہیں ہے ضرور ہے ہی۔ اس لئے کہ عدم ممنوعیت مستلزم جواز ہے

اور عدم جواز مستلزم ممنوعیت۔ پس عدمِ ممنوعیت کے اقرار کے ساتھ عدم جواز کا قول لغوِ محض اور غلط صریح ٹھیرا ہی۔ نواں قول (جس شے کا ذکر دونو طرف وارد نہ ہو اُس شے کا متشابہ ہونا یقینی ہے) اس قول کی غلطی بھی ساتویں آٹھویں قول کی تحقیق سے بخوبی ظاہر ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس قول کی تفریع ساتویں اور آٹھویں قول پر ہی مبنی ہے۔ جب وہی اقوال غلط ثابت ہو گئے۔ تو پھر اس قول کی صحت کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے۔ ہرگز نہیں کی جا سکتی پھر بھی کچھ مزید توضیح کی جاتی ہے۔ غورِ صحیح کے ساتھ اُس پر نظر ڈالی جائے۔ یہ قول مذکور جمہور اہلِ سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ اہلِ سنت، وجماعت کا مذہبِ مختار یہ ہے۔ کہ کسی موقع میں مدرکِ شرعی کا موجود نہ رہنا ہی مدرک شرعی بالتخییر ہے۔ یعنی مدرک شرعی کا نہ رہنا ہی اباحت شرعیہ کے لئے مدرک ہے۔ جیسے کہ عبارتِ مذکورہ بالا عدم المدارک الشرعی بخصوصہ فی واقعۃ مدارک للاباحۃ الشرعیۃ۔ اور بھی عبارت مذکورہ بالا فانہ قد علم من الشریعۃ ان مالم یقم علیہ دلیل فھو مباح سے بخوبی یہ امر ظاہر ہے۔ برخلاف تحریم وممانعت کے۔ کیونکہ اس کے لئے دلیل سمعی خاص کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے کہ عبارت مذکورہ بخلاف التحریم فانہ لا بد لہ من دلیل بخصوصہ اور عبارتِ مذکورہ اذ لا بد لھا من دلیل خاص۔ اور قول صاحبِ ردالمختار اقول ھذا ھو الظاھر لا شبھۃ فیہ سے ہویدا ہے۔ تصریح اس کی اوپر گذر چکی ہے۔ مزید برآں یہ کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موعظۃ الوداع میں خدائے پاک عزّ وجل کو شاہد گردان کر لفظ صریح الا بلّغت کا مکرر سہ کرر فرمانا شاہد قطعی ہے اس امر پر کہ آنحضرت نے علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے عہدۂ تبلیغِ احکام کو پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ کسی شے یا کسی فعل کے حکم کو مشتبہ نہیں چھوڑا۔ جس کے متعلق نہ منع کا حکم دیا ہو یا نہ جواز کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ اشیاء وافعال کے متعلق کسی حکم شرعی کو مشتبہ چھوڑ جانا فی الواقع عہدۂ تبلیغ احکام دین کو ادھورا اور ناتمام چھوڑ جانا ہے۔ حالانکہ نص قطعی الیوم اکملت لکم دینکم خبر دے رہی ہے کہ احکامِ دین کی تبلیغ پوری اور مکمل ہو چکی ہے۔ کوئی حکم واجب الذکر باقی نہیں رہا جو بیان نہ کیا گیا ہو۔ اور لفظ صریح حدیثِ نبوی الا بلّغتُ اُسی کا مظہر بالکسر ہے۔ باایں ہمہ تصریح کتاب وسنت مانعین سے نہایت ہی تعجب ہے۔ کہ چند ایسے اشیاء وافعال کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ کتاب وسنّت میں جن کی ممانعت کا حکم نہیں آیا یا اُن کے جواز کا حکم بھی نہیں آیا۔ ان حضرات کے کہنے ہی کیا ہیں۔ یہ اپنی دُھن کے ایسے پکے ہیں۔ کہ ان بچاروں کو اس امر کی بھی خبر نہیں۔ کہ منع وجواز ایک دوسرے کے باہم ضد ہیں یا نقیض ہیں اور جس طرح پر اجتماعِ ضدین محال قطعی ہے اسی طرح پر ارتفاعِ نقیضین بھی محال قطعی ہے۔ اور اس کا بھی ان حضرات کو خیال نہیں۔ کہ فی الواقع دینِ محمدی ایسا ہی ہے کہ جس میں چند اشیاء وافعال کے متعلق نہ تو منع کا حکم مذکور ہے اور نہ جواز کا۔ تو پھر دینِ محمدی تمامی احکام کا جامع اور مکمل ہی نہ ٹھیرا۔ کیونکہ بقولِ مانعین چند اشیاء وافعال کے متعلق احکام واجب الذکر باقی رہ گئے۔ بیان نہیں کیے گئے۔ حالانکہ کریمۂ قرآنی مذکور اور حدیثِ نبوی مسطور دونو نادی بہ اعلےٰ صوت ہیں۔ کہ دینِ محمدی کامل و مکمل ہو چکا ہے۔ یعنی تمامی احکام ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ کوئی حکم واجب الذکر باقی نہیں رہا ہے۔ اور اسی بناد

پر یعنی دینِ محمدی کی کاملیت و مکملیت اور اکملیت کی بناء پر اہی تمامی سلف و خلف صالحین۔ ائمہ محدثین و مجتہدین بالاتفاق اس کے قائل ہیں۔ کہ قیاس کتاب و سنت کے حکم کا مُظہر بالکسر ہے نہ کہ مُثبت بالکسر۔ احکام شرعی میں یہ نئی قسم متشابہ کی آج تک نہیں پائی گئی تھی۔ جو منع و جواز میں سے کسی کی مُظہر بالکسر نہ ہو۔ اور ایسے اشیاء و افعال اُن کے منع یا جواز کے حکم کے موجود نہ رہنے کے سبب واجب التوقف مانے جائیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب در تعجب یہ کہ تشابہ ایک صفت وجودی ہے جو باب تفاعل کے خاصیات سے ہے۔ اور ذکر کا نہ آنا ایک صفت عدمی ہے۔ اور ان دونوں میں باہم تقابل عدم و ملکہ ہے۔ باوجود اس کے صفتِ عدمی کو صفت وجودی کا موجد قرار دینا بے شک و شبہ دفور علم و کمال عقلِ مانعین پر دال ہے۔ خیر حضرات ناظرین ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں مانعین جو چاہیں کہیں۔ جو چاہیں کریں۔ سب کچھ اُن کے لئے سزاوار ہے۔ ہمارا اصل مطلب صرف یہی ظاہر کرنا ہے۔ کہ نص قرآنی الیوم اکملت لکم دینکم اور حدیث نبوی الا بلغت گواہ واثق اور شاہد صادق ہیں۔ کہ فی الواقع کوئی شئے یا کوئی فعل ایسا نہیں ہے کہ دینِ محمدی میں حضرات مانعین کی اس نئی تراش کے مطابق اُس کو متشابہ قرار دیا جائے۔ اور معنے اس کے یہ لئے جائیں۔ کہ دینِ محمدی میں یعنی کتاب و سنت میں نہ اُس سے منع کا حکم آیا ہے اور نہ جواز کا حکم ہی۔ ان ھذا الا شئی عجاب۔ حالانکہ نصوص صریحہ کتاب کے مطابق دین محمدی کو کامل اور مکمل جاننے اور ماننے کے بعد یہ امر محال عقلی قطعی ہے ہی۔ اگر بالفرض تھوڑے وقت کے لئے ہم تسلیم بھی کریں۔ کہ منع یا جواز کے حکم کے نہ مذکور رہنے کے سبب انسان کے دل میں قدرتی طور پر خود بخود اشتباہ کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور آدمی شک میں پڑ جاتا ہے۔ کہ فی الواقع یہ جائز ہے یا نہیں۔ مگر ظاہر ہے۔ کہ اشتباہ اور تشابہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرقِ بیّن موجود ہے۔ بااین ہمہ نہیں معلوم کہ حضراتِ مانعین کو اس مقام میں تشابہ کی کیونکر سوجھی۔ جو چند اشیاء و افعال پر بے تامل صحیح صرف اپنے اٹکل سے متشابہ کا اطلاق کر دیا نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ عوام اردو خواں مسلمانوں کو اشتباہ میں ڈالنے کی غرض سے یہاں پر لفظ متشابہ کا استعمال عمداً کیا ہے۔ اور آیات متشابہات قرآنی کے حکم کو جو حدیث ابوداؤد و من وقع فی المتشابہات وقع فی الحرام میں مذکور ہے۔ ان داپنے جعلی و فرضی اشیاء و افعال متشابہ پر چسپاں کرنا چاہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ عوام اُردو خوان مسلمانوں کو اشتباہ میں ڈالنے کے لئے مانعین نے یہ بہت ہی بڑا گہرا جال بچھا دیا تھا۔ مگر تقدیر خداوندی یا اُن کی بدقسمتی سے اُس کے اندر ایسا مکر یہ واقع ہو گئی۔ کہ نور الانوار کی عبارت ہی نے جس کو خود انہوں نے ہی نقل کیا تھا۔ ان کی اس عیاری اور دھوکہ بازی کے چھپے ہوئے راز کو طشت از بام کر ہی دیا۔ کیونکہ جب حدیثِ نبوی قطعی الدلالۃ میں لفظ صریح وقع فی الحرام موجود اور مذکور ہے۔ تو پھر صاحب نور الانوار یا اُس کے جیسے دوسروں کی بھی مجال ہی کیا تھی۔ کہ بالتصریح اطلاق حرمت نہ کرتے۔ صرف لفظ واجب التوقف کے حکم پر ہی اکتفا کرتے اکیلے صاحب نور الانوار کا ہی ذکر کیا ہے۔ بلکہ تمامی علمائے علمِ اصول کا اس مقام پر لفظ واجب التوقف پر

اکتفا کرنا اور اس پر اتفاق کرنا یہ بہت بڑی کھلی ہوئی ظاہر دلیل ہے اس امر پر کہ حدیث مذکور ابوداؤد میں
لفظ متشابہات سے مراد آیات متشابہات قرآنی ہیں۔ دلیل اس پر خود کریمۂ قرآنی هو الذی انزل علیك
الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات ۔ فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون
ما تشابه منه ہے۔ اور بھی حدیث بخاری و مسلم کی دلیل ہے فاذا رأیتم الذین یتبعون ما تشابه منه فاولٰئك
الذین سماهم الله فاحذروهم الحدیث ۔ اور ان حدیثوں میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آیت
قرآنی مذکورہ هو الذی الآیہ کا تلاوت کیا جانا بھی منقول و مروی ہے۔ کیونکہ حدیث مذکورہ
میں لفظ سماهم الله سے کریمۂ فاما الذین فی قلوبهم زیغ الآیہ کی طرف اشارۂ صحیح موجود بھی ہے اور مصابیح
اور بیہقی میں بھی اس مضمون کی حدیثوں کا مروی ہونا مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔ کہ آیات محکمات کو چھوڑ کر آیات
متشابہات کے درپے ہو جانا۔ یعنی پیچھے پڑ جانا گمراہی کا سبب ہے۔ یعنی اُن کی تاویل کے درپے ہو کر اپنے عندیہ
کے مطابق ایک تاویل کو قائم کر لینا گویا حرام میں گر جانا ہے۔ اور یہ امر تمامی اہل سنت و جماعت کے نزدیک
اور خاصکر ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک بالاتفاق مسلم ہے۔ کہ آیات متشابہات قرآنی واجب التوقف
ہیں۔ یعنی اُن کی تاویل کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔ یہی بات ہے جو حدیث ابوداؤد مذکور میں لفظ من وقع فی
المتشابہات کی جزا میں لفظ صریح وقع فی الحرام لایا گیا ہے۔ اور اسی وقوع فی المتشابہات کی تفسیر ہی ہے جو
کلام ربانی اور حدیث نبوی میں لفظ یتبعون ما تشابه منه کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیونکہ اپنے دل میں کسی تاویل
کے قائم اور محکم کر لینے کے بغیر متشابہات کی اتباع ممکن ہی نہیں۔ اور بخاری و مسلم کا لفظ فاحذروهم
اور کریمۂ قرآنی کا لفظ فی قلوبهم زیغ اور لفظ ابتغاء الفتنة یہ تینو کے تینو اسی وقوع فی المتشابہات
کی یعنی اپنے عندیہ میں اُن کی کسی تاویل کے محکم ٹھہرا لینے کی بُرائی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ یہ کام خدا و رسول
کی مرضی کے خلاف میں ہے۔ پس حضرات مانعین کی عیاری اور دھوکہ بازی کے کمال کو تو دیکھیئے۔ کہ عوام اردو
خوان مسلمانوں کے دھوکہ میں ڈالنے کے لیئے لفظ مشتبہ کی جگہ پر متشابہ کو کیسے طفرۃً لا کے کھڑا ہی کر دیا
اور پھر آیات متشابہات قرآنی کے حکم کو۔ جو حدیث ابوداؤد میں مذکور تھا۔ اپنے اٹکل سے ٹھہرائے ہوئے مشتبہ
کاموں اور چیزوں پر فوراً سے بھی پیشتر ہی کیسے چسپاں کر دینا چاہا ۔ مگر کریمۂ قرآنی کلمة الله هی العلیا اور
فرمان نبوی الحق یعلو ولا یعلیٰ کے مطابق احادیث بخاری و مسلم وغیرہ سے اور علمائے علم اصول کے متفق علیہ
لفظ واجب التوقف سے مانعین کی اس عیاری اور کارپردازی کا پردہ فاش ہو ہی گیا۔ اور حقیقت نفس الامری
کھل ہی پڑی۔ کہ حدیث ابوداؤد مذکور میں لفظ متشابہات سے آیات متشابہات قرآنی ہی مراد ہیں۔ نہ کہ
مانعین کے یہ نئے گھڑے گھڑائے ہوئے اشیاء و افعال مشتبہ الحکم ۔ کیونکہ احادیث بخاری و مسلم کا لفظ
متفق علیہ یتبعون ما تشابه منه بوساطت لفظ سماهم الله شہادت قاطعہ ادا کر رہا ہے ۔ کہ لفظ وقوع
فی المتشابہات سے مراد یہی تتبع متشابہات ہے نہ کہ اور کچھ۔ ناظرین کرام کو چاہیئے۔ کہ اس مبحث پر غور کامل

کے ساتھ نظر ڈالیں۔ اور اصل مطلب حدیث کو خوب سمجھیں اور خیال میں رکھیں اور مانعین کے جال میں نہ پھنسیں وَمَا علینا الا البلاغ ۰

گرامی حضرات! یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آ ہی گیا۔ لیکن مزید فوائد سے خالی ہرگز نہیں ہے۔ اب ہم اصل مطلب کی طرف عود کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہمارے پیغمبر اکمل ختم الانبیاء و الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکامِ دین میں سے کسی شئے یا کسی فعل کے حکم کو ایسا مشتبہ چھوڑا ہی نہیں۔ کہ جس سے نہ منع کا حکم دیا ہو یا نہ جواز کا حکم دیا ہو۔ کوئی حکم واجب الذکر آپ نے باقی ہی نہیں رکھا۔ ہر ایک شئے اور ہر ایک فعل کے حکم کو ضوابط و قواعد مستحکمہ کے ذریعہ سے بیان کر ہی دیا۔ کریمۂ قطعی الثبوت والدلالہ مَا نھٰکم عنہ فانتھوا اور فرمانِ رسالت قطعی الدلالۃ اذا نھیتکم عن شئ فاجتنبوہ اور بھی حکمِ نبوت ماسکت عنہ فھو مما عفی عنہ کو پیش کر کے بتا دیا۔ اور سمجھا دیا۔ کہ خدا نے یا اُس کے رسول نے جس شئے یا جس کام سے تم کو منع کر دے (یعنی دلیل سمعی شرعی سے جس کی حرمت یا کراہت تحریمی ثابت ہے) اُس سے پرہیز کرنا تم پر واجب ہے۔ اور جس کی مناہی اور ممانعت خدا کے یا اُس کے رسول کیطرف سے نہیں آئی (یعنی دلیل سمعی شرعی سے جس کا ممنوع یا منہی عنہ ہونا ثابت نہیں) اُس سے پرہیز کرنا تم پر واجب ہرگز نہیں۔ بلکہ اُس کے کرنے کا تم کو اختیار حاصل ہے۔ اور کریمۂ من حرم زینۃ اللہ سُنا کر سمجھا دیا۔ کہ کسی شئے کو یا کسی فعل کو حرام یا ممنوع ٹھہرانا خدا ہی کا حق ہے۔ کہ اشیاء و افعال کا خالق وہی ہے۔ یا اُس کے رسولِ پاک کا حق ہے جس کو خدا نے اپنی طرف سے تعلیم دیکر بندوں کی ہدایت اور رہبری کے لئے بھیجا ہے نہ کہ کسی غیر مثل ما شما کا۔ یہی وجہ تھی۔ جو تمام علمائے اہلِ سنت و جماعت۔ محدثین و مجتہدینِ امت نے بالاتفاق کہہ دیا۔ کہ قد علم من الشریعۃ ان مالم یقم علیہ دلیل فھو مباح۔ یعنی جس امر کی فرضیت یا حرمت۔ وجوب یا کراہت تحریمی۔ مسنونیت یا استحباب پر کوئی دلیل سمعی شرعی قائم نہ ہو وہ امر شرعاً مباح ہے برخلاف تحریم و ممنوعیت کے کیونکہ حرام یا ممنوع ٹھہرانا کسی شئے یا کسی فعل کا صرف خدا اور رسول کا ہی حق ہے۔ دوسرے کسی کو اس باب میں کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں۔ اسی لئے تمام علمائے اہلِ سنت و جماعت کہتے ہیں۔ کہ بخلاف التحریم فانہ لابد لہ من دلیل بخصوصہ۔ پس مانعین کے قول مذکور (جس شئے کا ذکر دونوں طرف وارد نہ ہو۔ اُس کا متشابہ ہونا یقینی ہے۔ اور متشابہ کا حکم نور الانوار میں واجب التوقف لکھا ہے۔ جس سے عبارت موافق حدیث ابوداؤد کے حرام ہو سکتی ہے۔ من وقع فی المتشابھات وقع فی الحرام) کی غلطی اور عیاری اور دھوکہ بازی بخوبی ظاہر ہو گئی ناظرینِ کرام غور صحیح کے ساتھ کام لیں۔ مانعین کے دھوکہ میں نہ پڑیں ۰

دسواں قول (سوال جدت و احداث میں ہے جس طریق و ترتیب کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرتب نہیں فرمایا۔ غیر کو اس کی ترتیب دینی کا اختیار کیا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف وعید نازل ہے۔ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ) جدت و احداث کے متعلق پانچویں قول کے ذیل

میں پوری تحقیق گذر چکی ہے۔ اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ اُسی قسم کی جدت اور اُسی طرح کا احداث شرعاً ممنوع اور منہی عنہ ہے جس کا لا یرضہا اللہ ورسولہ ہونا دلیل سمعی اول یا دوم وسوم سے ثابت ہو۔ یعنی وہ احداث کتاب اللہ کے یا سنّتِ رسول اللہ کے یا اجماع امت کے یا قیاسِ صحیح کے خلاف ہیں ہو۔ تا کہ اُس کا ناپسندیدۂ خدا و رسول ہونا ثابت ہو جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ کتاب وسنّت کی مخالفت جس احداث میں نہ پائی جائے اُس پر لا یرضہا اللہ ورسولہ کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ حضراتِ ناظرین۔ جب اِن اقوال ثلاثہ کا غلط صریح ہونا دلائل قویہ کے ساتھ مُبرہن ہو گیا۔ تو پھر آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ادلۂ سمعیۂ جواب استفتاء فی الواقع قائلین کے لئے ہی مفید ہیں کہ مانعین کے لئے یہ ادلۂ اربعۂ سمعیہ تو قائلین کی حجت کو مانعین پر اس طرح پر قائم اور تمام کرتے ہیں۔ کہ از روئے انصاف کوئی جائے گفتگو ہی باقی نہیں رہتی۔ پھر تو قول اوّل کی بھی غلطی ناظرین پر خود بخود ظاہر اور ثابت ہو ہی گئی۔ اور اچھی طرح سے واضح ہو گیا۔ کہ ادلۂ مذکورۂ سمعیہ شرعیہ نفس الامر میں قائلین کے لئے ہی مفید ہیں اور مانعین کو انصافاً ساکت ہی گردانتے ہیں۔ الغرض خلاصۂ کلام یہ ہے۔ کہ کریمۂ قطعی الثبوت والدلالۃ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ فرمانِ نبوی قطعی الدلالۃ۔ بلا معارض من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا الحدیث کے تسلیم کرنے کو واجب گردانتا ہے بلکہ فرض۔ اور یہ فرمانِ نبوی اِحداث واستنان طریقۂ حسنہ کو مشروع اور جائز بتانے کے علاوہ اس کی تعمیل پر اجر وثوابِ اُخروی کے ملنے کی خوشخبری دے بھی رہا ہے۔ پھر باوجود اس تصریح مذکور کتاب وسنّت کے کوئی مرد صحیح الایمان احداث طریقۂ حسنہ کو (جو امرِ عام غیر مقدر وغیر محصور برضاہا اللہ ورسولہ کے تحت میں داخل ہو) وعیدِ شدید شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ اور ما لیس منہ ای من الدین اور ما لیس علیہ امرنا میں کیونکر داخل اور سنّت ودین سے کیونکر خارج گردان سکتا ہے۔ ہرگز نہیں گردان سکتا۔ کیونکہ فرمان نبوی مذکور سے طریقۂ حسنہ کا احداث واستنان مامور بہ ہے۔ پس مامور بہ کو (جس پر ترتیب اجرِ اُخروی کا حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعدۂ صادقہ فرمایا ہے) اپنے ناقص اٹکل سے منہی عنہ قرار دیکر ان مانعین کا اُس کو وعید شدید شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ کا مصداق گرداننا کس قدر بے باکانہ گستاخانہ حملہ بے جا ہے جو بڑے بڑے مقتدایانِ دین ائمۂ شرع متین۔ محدثین ومجتہدین پر ان کی جانب سے کیا جا رہا ہے۔ ہم پُوچھتے ہیں۔ کہ کیا تبلیغ متن حدیث کے طریق کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر سلسلۂ رجال اسناد کے ساتھ مرتّب ومشروط فرما دیا تھا۔ اور کیا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنقیدِ صحت حدیث کے طریق کو اِن شروط متعددہ دمنقادۃ شیخین کرمین کے ساتھ مشروط ومنضبط گردانا تھا اور کیا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے باوجود عدالت وثقاہت راوی کے ثبوت کے ارسال کو مردود اور غیر مقبول قرار دیا تھا۔ اور کیا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یا تابعین عظام رحمہم اللہ نے احادیث نبویہ کو صحاح وحسان ومراسیل وشواذ ومنکرات

ومنقطعات ومعضلات وغرائب پر منقسم اور ہر ایک کی تحدید وتعریف مرتب اور متعین فرمادی تھی۔ اور کیا آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے اصول فقہ واصول حدیث کے قواعد وضوابط واصطلاحات کو بدیں ہیئت کذائی مرتب ومنضبط کردیا تھا۔ اور کیا آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے وضو۔ نماز۔ غسل۔ حج وغیرہ میں فرائض وواجبات وسنن مؤکدہ ومستحبات کی تعیین اور تصریح فرمادی تھی۔ کہ مثلاً فلان فلان کام فرض ہیں اور فلان فلان واجب اور فلان فلان سنن مؤکدہ اور فلان فلان مستحب ہیں۔ اور کیا آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے تعلیم وتبلیغ حدیث اور کتابت حدیث کے طریق کو۔ طرز ووضع امام مالک اور امام بخاری رحمہما اللہ پر مرتب فرما تھا۔ اور کیا آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے ختم خواجگان چشت وختم قادریہ واوراد فتحیہ وغیرہ کی ترتیب جس طرح پر کہ معمول ائمہء صوفیۂ کرام ہے۔ بدیں ہیأت کذائیہ مرتب فرمادیا تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ان امور مذکورہ بالا میں سے کسی امر کی وضع اور طریق اور ترتیب کو آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے وقت میں مرتب نہیں فرمایا تھا۔ تو پھر ان تمام مذکورہ صورتوں اور طریقوں اور اوضاع اور ترتیبوں کے صرف بہیئتہائے کذائیہ نئے رہنے کے سبب سے۔ کیا ان تمام متمد مقتدایان دین اور شرع متین سنت صالحین (کہ جن کی ہی وساطت سے دین محمدی ہم تک پہنچا ہے) کا جم غفیر سب کا سب العیاذ باللہ شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ کی وعید شدید میں (بردفق تحریر مانعین) داخل مانا جائیگا حاشا وکلا۔ اللہ کی پناہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کسی مرد صحیح الایمان کی ہرگز یہ شان نہیں کہ ایسی جسارت بیبا کانہ کا مرتکب ہو جبکہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے محدثِ مذموم کی تفسیر مالیس منہ ای من الدین کے ساتھ (یعنی مخالف کتاب وسنت کے ساتھ) اور مالیس من الدین۔ اور مالیس علیہ امرنا اور سنۃ سیئۃ اور ضلالۃ کی تفسیر بدعۃ ضلالۃ (بالاضافۃ) لا یرضاھا اللہ ورسولہ کے الفاظ صریحہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ اور سنت حسنہ یعنی طریقہ حسنہ کے جاری کرنے پر اجر اخروی کے ملنے کا وعدۂ صادقہ فرمایا ہے تو پھر کسی امر خیر مامور بہ عام۔ غیر مقدر غیر محصور کی کوئی نئی صورت مالیس منہ ای من الدین اور مالیس علیہ امرنا میں کیونکر داخل ہوسکتی ہے۔ ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اور شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ کا مصداق اس کو کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ تحریم حلال کا گناہ کیا تحلیل حرام کے گناہ سے کم ہے ہرگز نہیں۔ یہ افترا علی اللہ ہے۔ تو وہ بھی خدا پر جھوٹ باندھنا ہی ہے۔ افراط اور تفریط دونو سگ زرد برادر شغال کا ہی حکم رکھتے ہیں۔ اہل علم کو چاہیئے کہ ان دونو سے پرہیز کریں پُر حذر رہیں۔ حکم شرعی کے بیان میں امر حق صراط مستقیم سے سر مو تجاوز نہ کریں۔ اور تعصب واعتساف سے بالکل بچے ہوئے رہیں قدوۂ پیشوایان صوری ومعنوی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی تحریر ہی اگر ان لوگوں نے دیکھی ہوتی۔ تو ایسے بے باکانہ کلام کی ہرگز جرأت نہ کرتے۔ مولانا ے موصوف اپنی تفسیر عزیزی میں (پارۂ عم کی تفسیر میں) بعد موت انسان کی پہلی حالت کے بیان میں فرماتے ہیں (مدد زندگان بہ مُردگان در بنجات

زود مے رسد۔ ومُردگان دریں حالت منتظر لحوقِ مدد ازیں طرف مے باشند) اور اس مضمون پر مولانائے موصوف سے حدیث شریف کی سند بھی پیش کی ہے لکھتے ہیں۔ کہ (نیز وارد است کہ مُردہ دریں حالت مانند غریق است کہ انتظار فریاد رسے مے برد) پھر فرماتے ہیں (وصدقات وادعیہ و فاتحہ دریں حالت بسیار بکار اومے آید) مولانائے موصوف کی اس تحریر سے مُردوں کا اس حالت میں زندوں کی طرف سے مدد کے پہونچنے کا منتظر رہنا اور زندگان اگر صدقات اور ادعیہ یعنی دُعاؤں اور فاتحہ (یعنی فاتحۂ عرفی) سے مُردوں کو اُن کی اس حالت میں مدد پہونچائیں تو اُس مدد کا اُن کو جلد پہونچنا اور مُردوں کے لئے صدقات اور دُعاؤں اور فاتحۂ عرفی کے کئے جانے کا شرعاً جائز رہنا یہ تینوں باتیں ثابت از کتاب وسنّت ہوئیں۔ کیونکہ مولانائے موصوف نے اپنی تحریر میں حدیث نبوی المیت فی القبر کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا۔ وان اللہ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال من الرحمۃ سے استناد فرمایا ہے۔ اور اس حدیث میں اُن تینوں باتوں کا ذکر بالتصریح موجود ہے۔ اور حدیث مذکور جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی صاحب تفسیر مظہری نے اور حضرت قطب الاقطاب امام ربانی مجدد الف ثانی نے رحمہما اللہ بھی نقل کیا ہے۔ اور اس کے بعد مولانائے موصوف فرماتے ہیں (و اینجا است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام مے نمایند) مولانا کی اس تحریر سے برسی اور چہلم اور اُن کے مابین کے فاتحۂ عرفی کرنے کے عمل کا قدیم سے مسلمانوں میں جاری رہنا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ ہر شخص عاقل خوب جانتا ہے۔ کہ طوائف بنی آدم میں مسلمان بھی داخل اور بالضرور شامل ہیں ہی۔ اور معلوم ہو گیا۔ کہ مُردوں کے ثواب پہونچانے کے لئے فاتحہ کرنے کا عمل (یعنی سورۂ فاتحہ اور اخلاص اور درود شریف پڑھ کر ثواب رسانی کرنے یا کچھ للہ کھلا پلا کر صدقہ وخیرات دے دلا کر اُس کے ساتھ سورۂ فاتحہ اور اخلاص اور درود شریف پڑھ کر ثواب رسانی کرنے کا دستور) ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع نہیں ہے ورنہ شاہ صاحب جیسے عالم ربانی پیشوائے دین اس رسم و عادت کے بیان کے ساتھ اُس کے ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع ہونے کا حکم دینی بھی اگر ہوتا تو ضرور بیان ہی کر دیتے۔ کیونکہ امرِ حق کے ظاہر کرنے کی ضرورت کے موقع پر امر حق کے ظاہر نہ کرنے کی وعید میں شیطان اخرس کا لفظ صریح وارد ہو چکا ہے۔ پھر جب اس رسم و عادت کے ذکر کے ساتھ اُس کے ممنوع اور ناجائز ہونے کا ذکر مولانائے موصوف نے نہیں کیا۔ تو واضح ہو گیا۔ اس فاتحۂ عرفی اور ایصال ثواب کی عادت اور رسم مسلمانوں میں قدیم سے جو جاری ہے۔ ہرگز ممنوع فی الشرع نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور ہر ایک صاحب قلب سلیم پر یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ مولانائے موصوف کی تحریر بالا میں لفظ فاتحہ سے **فاتحۂ عرفی** ہی مراد ہیں (یعنی کچھ پڑھ پڑھا کر ثواب رسانی کرنا۔ یا للہ کچھ کھلا پلا کر صدقہ وخیرات دے دلا کر اُس کے ساتھ کچھ پڑھ کر ثواب رسانی کرنا) کیونکہ لفظ صدقات اور ادعیہ کے ساتھ صرف لفظ فاتحہ مرقوم ہے نہ کہ لفظ

سورۂ فاتحہ۔ لہٰذا معنی عرفی کے سوائے دوسرے معنی یہاں پر متصور نہیں ہو سکتے پس واضح ہو گیا۔ کہ مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے برسی یا چہلم یا دہم سوم وغیرہ کے فاتحۂ عرفی کرنے کا دستور ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع نہیں ہے اور اسی بناء پر قدیم سے مسلمانوں میں یہ عمل شائع بھی ہے۔ کیونکہ اعانت و امداد مومنین خواہ زندہ ہوں یا کہ سابقین بالموت شرعاً مامور بہا ہے۔ اور مومنین سابقین کی اعانت و امداد بجز اعمال خیر کے ثواب پہونچانے کے دوسری کسی صورت سے ممکن ہی نہیں۔ اور مولانائے موصوف نے جو حدیث نبوی کہ پیش کی ہے۔ اس سے تو مُردوں کا زندوں کی طرف سے مدد کے پہونچنے کا منتظر رہنا اور منتفع ہونا ایصال ثواب سے اُن کی تائید کریں تو اُس تائید کا اُن کو پہونچنا اور ایصالِ ثواب سے مُردوں کی تائید کرنے کا شرعاً جائز رہنا یہ تینوں باتیں قطعاً ثابت اور بر ظاہر ہیں۔ اور علامۂ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے شرح الصدور میں حافظ الحدیث شمس الدین مقدسی رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے ماذالوا فی کل عصرٍ یجتمعون ویقرءون لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعاً اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ باب الحج عن الغیر میں لکھا ہے ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر وزمان ویقرءون القرآن ویھدون ثوابہ لموتاھم وعلیٰ ھذا اھل الصلاح والدیانۃ من کل مذھب من المالکیۃ والشافعیۃ وغیرھم و لا ینکر ذلک منکر فکان اجماعاً اور حدیث عاصم بن کلیب کی جو روایت ابوداؤد سے اوپر لکھی گئی ہے۔ اور حدیث صحیح مسلم کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جس میں یہ تصریح یہ الفاظ ہیں من یسر علیٰ معسر یسرہ اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ اور و اللہ فی عون العبد ما کان فی عون اخیہ۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اعانت اخوان مومنین سابقین بجز ایصال ثواب اعمال خیر کے کسی اور طرح سے ممکن ہی نہیں۔ یہ تمامی تصریحات اسی پر شاہد واثق اور اُسی کی مؤید صادق ہیں جو مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے۔ اور علاوہ بریں خود امام الطائفہ مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم میں یہ لکھا ہے (و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات بہ اطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر و افضل۔ غرض آنست کہ مقید بہ رسم نباید شد بے تعیین تاریخ و روز و جنس و قسمِ طعام ہر وقت ہر قدر کہ موجبِ اجرِ جزیل بود۔ بہ عمل آرد۔ ہرگاہ ایصالِ ثواب بہ میت منظور دارد موقوف بر طعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر است والّا صرف ثواب سورۂ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است) پس مانعین کے امام الطائفہ کے اس لکھنے سے ہی ثابت ہو گیا۔ کہ خود اُن کے نزدیک بھی مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے کچھ کھلانا پلانا صدقہ و خیرات دینا دلانا۔ کچھ پڑھ پڑھا کر فاتحۂ عرفی کرنا ایک امر مشروع یقینی ہے۔ بلکہ بہتر اور افضل ہے۔ اور زبدۃ النصائح میں مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو جد امام الطائفہ مذکور سے ہیں۔ مالیدہ اور شیر برنج کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں "اگر مالیدہ و شیر برنج بناء بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورانند مضائقہ نیست و طعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست۔ اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن جائز است) مولانائے موصوف کی اس تحریر سے امام الطائفہ کا قول مذکور (مقید برسم نباید شد بے تعیین تاریخ و روز و جنس و قسم طعام ہر وقت ہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد) لغو ثابت ہو گیا

اور بخوبی ظاہر ہو گیا۔ کہ دن کی اور قسمِ طعام کی اور وضعِ خاص کی تعیین بھی ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع یعنی حرام یا مکروہ تحریمی ہرگز نہیں ہے۔ اور بھی مولانائے موصوف اپنے رسالۂ اِنتباہ میں ختم خواجگان کے بیان کے اندر فرماتے ہیں (چوں مہمے پیش آید۔ مردمان بانیت وضو کردہ صف زدہ رو بہ قبلہ نشینند۔ اوّل دہ مرتبہ درود بخوانند۔ بعد ازاں سہ صد و شصت بار ایں دعا لا ملجأ ولا منجأ من اللہ الا الیہ بخوانند۔ پس ازاں سی صد و شصت مرتبہ سورۂ الم نشرح بخوانند۔ پس دہ مرتبہ درود خواندہ ختم تمام کنند۔ و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً خواندہ حاجت از خدائے تعالیٰ سوال کنند۔ ہمیں طور ہر روز خواندہ باشند۔ انشاءاللہ تعالیٰ در ایامِ معدود مقصود بحصول انجامد) اس تحریر سے تو بالتصریح یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ کسی امرِ خیر عام غیر مقدر و غیر محصور کی کوئی نئی صورت کسی طرح سے مالیس علیہ امرنا میں یا مالیس منہ ای من الدین میں ہرگز داخل اور خارج عن السنۃ والدین یعنی حرام و ناجائز نہیں قرار دی جا سکتی۔ اور شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ کا اطلاق اس پر کسی طرح سے نہیں کیا جا سکتا۔ اور اہلِ ذکر کی حدیث جو بخاری میں مروی ہے۔ اس میں ما یقول عبادی کے جواب میں یسبحونک یکبرونک یحمدونک یمجدونک اور شروع حدیث میں ہی ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ یہ الفاظ بالتصریح موجود و مذکور ہیں۔ اور مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لوگ سنن و نوافل کے بعد دعائے امام باجماعت کے پیشتر غالباً انہی تسبیحات و تکبیرات و تحمیدات وغیرہا کے پڑھنے میں ہی مشغول رہتے ہیں (جہاں کہیں کہ بعد سنن و نوافل دعائے امام باجماعت کی عادت جاری ہے) اور حدیث بخاری مذکور میں ذکر تسبیح و تکبیر و تحمید و تمجید کے بعد ہی فما یسئلون کے جواب میں یسئلونک الجنۃ اور مم یتعوذون کے جواب میں یتعوذون من النار موجود و مذکور ہے۔ پھر باوجود ان تمامی ادلۂ ثابتہ واضحۂ کتاب و سنت و تحریرات مستندۂ پیشوایانِ ملت کے سنن و نوافل و قراءۃ تسبیحات و تکبیرات و تحمیدات و تمجیدات کے بعد امام کے باجماعت دعا کرنے کو اور بعد اس کے قراءۃ سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود کے ساتھ ثواب رسانی کرنے کو اور ثواب رسانی کے قصد سے سوم۔ دہم۔ چہلم۔ برسی۔ گیارہویں۔ بارہویں وغیرہ دنوں میں للہ کچھ کھلا پلا کر صدقہ و خیرات دے دلا کر کچھ پڑھ پڑھا کر فاتحۂ عرفی کے کرنے کو کوئی مردِ صحیح الایمان ممنوع اور منہی عنہ یعنی حرام یا مکروہ تحریمی خارج عن السنۃ والدین کیونکر جان سکتا اور مان سکتا ہے۔ ہرگز نہیں جان سکتا اور نہیں مان سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی دلیل سمعی بالتخصیص ایسی وارد ہوتی۔ کہ نمازِ مکتوبہ کے ساتھ باجماعت دعا کئے جانے کے علاوہ سنن و نوافل و اذکار و تسبیحات و تہلیلات و تکبیرات سے فارغ ہونے کے بعد امام باجماعت کا دعا کرنا۔ اور قراءۃ سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود کے ساتھ ثواب رسانی بہ ارواح مومنین کرنا اور گیارہویں بارہویں۔ سوم۔ دہم۔ چہلم۔ برسی وغیرہ دنوں میں للہ کچھ کھلا پلا کر صدقہ و خیرات دے دلا کر کچھ پڑھ پڑھا کر مُردوں کی روحوں کو ثواب رسانی کرنا ایسے گمراہی کے کام ہیں کہ خدا و رسول اُن سے ناخوش ہوتے ہیں تو مانعین اس کو ضرور

ضرور پیش کرتے ہی مگر مانعین میں سے کسی نے بھی آج تک کوئی ایسی دلیل سمعی پیش ہی نہیں کی ہے۔ اور وہ پیش کرتے بھی تو کیونکر اور کہاں سے۔ اس لئے کہ کتب متداولہ موجودہ حدیث میں تو کوئی حدیث اس مضمون کی مروی ہے ہی نہیں۔ اور کتب متداولہ موجودہ احادیث میں اس طرح کی کوئی حدیث مروی ہوتی بھی تو کیونکر؟ اس لئے کہ امور مذکورۂ بالا میں سے ہر ایک امر یعنی باجماعت دعا کا کرنا اور ثواب رسانی اور اذکار و تسابیح و قرآۃ سورتہائے قرآنی اور صدقہ کا کرنا اور کسی مصلحت یعنے استحکام کار کے لئے وقت کی تعیین کرنا یہ سب باتیں کتاب اور سنت سے قطعاً ثابت ہیں۔ جیسے کہ تصریح اس کی اوپر گذر چکی ہے۔ اور یہ بھی تصریح کیگئی کہ یہ امور امورِ خیر عامۂ غیر مقدّرہ و غیر محصورہ میں سے ہیں۔ مانعین کی طرف سے اس باب میں جو کچھ کہ زور لگایا جاتا ہے۔ سو صرف یہی کہ یہ صورتیں نئی ہیں۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں نہیں تھیں۔ کیونکہ اُس وقت میں ان امور کا جاری اور رائج رہنا کسی روایت میں منقول نہیں ہے۔ لہذا یہ سب صورتیں بدعت ضلالت ہیں۔ تو جواب میں اس کے گذارش ہے۔ کہ بے شک آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعت ضلالت سے منع فرمایا ہے۔ اور ہر مرد صحیح الایمان کو ایسی گمراہی کی بدعتوں سے باز رہنا۔ پرہیز کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ مگر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعت ضلالت کی یہ تعریف نہیں فرمائی ہے۔ کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں جس امر کا پایا جانا من حیث الروایت منقول نہ ہو وہی امر بدعۃ ضلالہ ہے۔ اگر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعۃ ضلالہ کی یہ تعریف فرمائی ہے تو بتانا چاہیئے۔ کہ کس حدیث میں یہ تعریف بدعۃ ضلالہ کی مروی ہے۔ اور ائمۂ معتمدین حدیث میں سے کس امام حدیث نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اور اس کی صحت کا حکم کس امام حدیث نے لگایا ہے۔ کتب متداولہ موجودۂ ائمۂ حدیث میں تو اس مضمون کی کوئی حدیث حسن ہی فضلاً عن الصحیح مروی ہے ہی نہیں۔ بلکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعت ضلالت کی تعریف جو اپنی مبارک زبان وحی ترجمان سے فرمائی ہے وہ حدیث ہے۔ جس کی روایت ائمۂ حدیث میں سے ابن ماجہ اور ترمذی نے کی ہے۔ من ابتدع بدعۃ ضلالۃ (بالاضافہ) لا یرضاہا اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم الحدیث۔ اور اس حدیث میں بدعت ضلالت کا لفظ اضافت کے ساتھ مروی ہے۔ علامہ محمد طاہر نے کتاب مجمع البحار میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں من دعا الی ضلالۃ کا لفظ صریح اور اُسی کی اور ایک حدیث میں من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کا لفظ صریح مروی ہے۔ اور امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں من دعا الی ضلالۃ او سن سنۃ سیئۃ کا ایک باب ہی باندھا ہے۔ اور بخاری و مسلم دونوں کی متفق علیہ حدیث میں محدث مذموم کی تعریف میں ما لیس منہ (ای من الدین) کا لفظ صریح وارد ہوا ہے۔ اور امام احمد اور دارمی کی احادیث میں شیوع بدعت کو موجب رفع سنت کہا گیا ہے۔ تو پھر ان تمام احادیث صحیحہ پر نظر ڈالنے سے قطعاً یہ امر ثبوت کو پہونچتا ہے۔ کہ بدعۃ ضلالۃ ہی وہ امر ہے جو لیس منہ ای من الدین ہے۔ اور بدعت ضلالت ہی وہ امر ہے جو لیس علیہ امرنا ہے۔ اور بدعت ضلالت ہی وہ امر ہے جو سنۃ سیئۃ ہے۔ اور بدعت ضلالت (۱)

وہ امر ہے جو ضلالۃ واقعی ہے۔ اور بدعت ضلالت ہی وہ امر ہے۔ جو موجب رفع سنت ہے۔ اور بدعت ضلالت ہی وہ امر ہے۔ جو لایوضنہا اللہ ورسولہ کا مصداق حقیقی ہے۔ پس صاف طور پر معلوم ہوگیا۔ کہ یہ تعریف بدعۃ ضلالۃ کی جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی مبارک زبان وحی ترجمان سے الفاظ صریحۂ لایوضنہا اللہ ورسولہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ سوفی الواقع ایسی جامع اور مانع ہے۔ جس پر تمامی احادیث مذکورۂ بالا منطبق ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ پُر ظاہر ہے۔ کہ خدا ورسول اُسی کام سے ناخوش ہونگے جو گمراہی کا ہو۔ اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ کہ گمراہی کتاب وسنت کی مخالفت میں ہی منحصر قطعی ہے۔ اسی بناء پر تو اہل سنت وجماعت کے پیشوایانِ صالحین محدثین ومجتہدین رحمہم اللہ نے بدعت ضلالت کی تعریف میں ما خالف کتاباً اوسنۃً اواجماعاً اوقیاساً صحیحاً کے الفاظ صریحہ فرمائے ہیں۔ کیونکہ جب تک کہ مخالفتِ کتاب وسنت کی نہ پائی جائے۔ تب تک خدا و رسول کے ناخوش ہونے کے ثبوت کی کوئی وجہ معقول عند العقلاء ہے ہی نہیں پس بدعۃ ضلالۃ درا صل ایسے کام کا نام ٹھیرا جس میں خدا ورسول کی مخالفت پائی جائے۔ یہی وجہ تھی جو آنحضرت خود بدولت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعت ضلالت کی تحدید اور توصیف اور تعریف میں لایرضنہا اللہ ورسولہ کے الفاظ صریحہ فرمائے۔ پھر تو جو کام کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہی ہوگا۔ وہی کام بدعت ضلالت قرار دیا جائیگا اور پُر ظاہر ہے۔ کہ خدا اور رسول کی مخالفت منحصر ہے دو باتوں میں ہی۔ ایک اوامر کے ترک کرنے میں۔ دوسرے نواہی کے عمل میں لانے میں۔ یعنی (فرائض یا واجبات یا سنن موکدہ) کو ترک کرنا یا (محرمات یا مکروہات تحریمی) کا عمل میں لانا۔ یہی دو باتیں خدا اور رسول کی مخالفت کو ثابت کرتی ہیں۔ یعنی اوامر کے بجا نہ لانے اور منہیات سے پرہیز نہ کرنے میں ہی خدا ورسول کی ناخوشی منحصر ٹھیری۔ اور چونکہ اوامر کا بجا نہ لانا بھی در حقیقت ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع ہے ہی لہٰذا واضح ہوگیا۔ کہ خدا اور رسول کی مخالفت منہیات وممنوعات شرعیہ سے پرہیز نہ کرنے میں ہی قطعاً منحصر ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعۃ ضلالۃ کی تعریف میں لا یرضنہا اللہ ورسولہ کے الفاظ صریحہ فرمائے ہیں۔ پس حضرات مانعین پر پہلا فرض یہ ٹھیرا۔ کہ ایسی کوئی حدیث صحیح الروایت متفق علیہا پیش کریں کہ جس میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بدعۃ ضلالۃ کی یہ تعریف فرمائی ہو۔ کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں جس امر کا پایا جانا من حیث الروایت منقول نہ ہو۔ وہی بدعت ضلالۃ ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیں۔ کہ اس مضمون کی حدیث کو ائمۂ مستندین حدیث میں سے کس نے کس کتاب میں روایت کیا ہے۔ اور کس امام فن حدیث نے اُس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ اور اُس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے۔ کہ قرون مشہود لہا بالخیر کی خیریت کے ذکر کے بیان کرنے والی حدیث خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم الحدیث کو تعریف بدعت ضلالہ کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ بدعت ضلالۃ کی تعریف تو کجا۔ لفظ بدعت تک اس میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس حدیث کی کسی روایت میں بھی لفظ بدعت مذکور نہیں مزید برآں یہ بھی ذکر اس حدیث کی کسی روایت میں نہیں ہے۔ کہ بعد قرون ثلاثہ مذکورہ کے شیوع بدعات ہوگا۔ جیسے کہ یہ امر کسی اہل علم

پر مخفی نہیں ہے۔ حالانکہ کتب معتمدۂ سیر و تاریخ سے یہ ثابت ہے۔ کہ مذاہبِ باطلۂ مبتدعین مثل جبریہ و قدریہ
و روافض و خوارج و معتزلہ وغیرہ القضائے قرون مذکورہ کے اندر ہی اندر پھیل گئے تھے۔ پس بخوبی واضح ہو گیا کہ
حدیث مذکورہ خیر القرون کو بدعت ضلالہ کے ساتھ در اصل قطعاً کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ اور دوسرا فرض مانعین
پر یہ ٹھہرا۔ کہ کسی صحابی یا تابعی سے من حیث الروایت الصحیحہ یہ ثبوت پیش کریں کہ ہم لوگ مُردوں کی ثواب رسانی
کے لئے للہ نہ کبھی کچھ مساکین کو کھلاتے تھے نہ صدقہ و خیرات دیتے تھے نہ کچھ قرآن وغیرہ پڑھ کر ثواب بخشتے
تھے یا بالآخر یہی ثبوت پیش کریں۔ کہ ہم لوگ بعد موت تیسرے یا دسویں یا چالیسویں یا برس کے آخر روزوں میں
مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے للہ نہ کچھ کھلاتے تھے نہ صدقہ و خیرات دیتے تھے نہ کچھ قرآن وغیرہ پڑھ کر
ثواب رسانی کرتے تھے۔ جب تک کہ من حیث الروایت محکوم بصحت اس طرح پر اس عدم کا ثبوت نہ پیش
کیا جائے تب تک رجماً بالغیب یہ دعویٰ کیونکر تسلیم کیا جائیگا۔ کہ ایصالِ ثواب کی یہ صورتیں قرون مشہود
لہا بالخیر میں نہیں تھیں۔ ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ حالانکہ اس طرح کی کسی روایت کے پیش کرنے کے
باوجود بھی یہ صورتیں ایصال ثواب کی ممنوع اور ناجائز نہیں مانی جا سکتیں۔ کیونکہ نفس ایصال ثواب کی
مشروعیت کتاب و سنت سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور ایصالِ ثواب ایک امر غیر مقدر و غیر محصور ہے شرعاً۔ اور کسی فعل
غیر مشروع کا کسی وقت ترک کیا جانا اس کی حرمت یا کراہتِ تحریمی پر ہرگز نہیں دلالت کرتا ہے۔ جیسے
کہ اس کی تصریح بھی ہو چکی ہے۔ مزید برآں یہ ائمۂ جلیل الشان فن حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثبوت کو پہونچ گیا
ہے۔ کہ ہزاروں لاکھوں احادیث صحاح و حسان کتبِ حدیث متداولہ موجودہ میں داخل اور درج نہیں
ہوئی ہیں نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ جیسے کہ اس کی تصریح اوپر گذر چکی ہے۔ اور تیسرا فرض مانعین پر یہ ٹھیرا
کہ بعد موت تیسرے یا دسویں یا چالیسویں یا برس کے آخری روزوں میں للہ کچھ کھلا کر۔ صدقہ و خیرات دیکر
کچھ قرآن درود وغیرہ پڑھ کر مُردوں کی ثواب رسانی کرنے کے اور بعد سنن و نوافل و اذکار و تسابیح کے
بعد (جبکہ سنن و نوافل مسجد میں پڑھی جائیں) با جماعت امام کے دعا کرنے کے بالتخصیص ممنوع اور منہی عنہ
فی الشرع ہونے پر اگر کوئی آیت مفسرہ یا مودلۂ قرآنی یا کوئی حدیث متواترہ یا آحاد قطعی الدلالہ بلا معارض
وارد ہے تو اُس کو پیش کریں۔ کہ جس سے مذکورہ صورتوں کی حرمت یا کراہتِ تحریمی ثابت ہو حدیث
ما لیس علیہ امرنا تو علی عمومہ اس باب میں کارآمد ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ علی العموم احداث و استنان
طریقۂ حسنہ کا امر اور اس پر ترتیب اجر اُخروی یہ دونوں صحیح مسلم کی حدیث میں من سن فی الاسلام سنۃ
حسنۃ فلہ اجرھا اور من دعیٰ الی ھدیً الحدیث سے ثابت ہے۔ پس کسی امرِ خیر۔ عام۔ غیر مقدر۔ غیر
محصور کی کوئی نئی صورت کسی طرح سے ما لیس علیہ امرنا اور ما لیس منہ ای من الدین میں ہرگز داخل
ہو ہی نہیں سکتی۔ الحاصل اصل مرام اور خلاصۂ کلام یہی ہے۔ کہ دعا با جماعت کے اور ایصالِ ثواب کے
مامور بہ فی الشرع ہونے میں تو کسی مرد صحیح الایمان فضلاً عن علماء الزمان کو کسی طرح سے کوئی کلام ہے ہی نہیں

اب اگر یہ قولِ مانعین بحث ہے تو ان مذکورہ صورتوں میں ہے۔ کہ آیا یہ صورتیں جائز ہیں یا یہ حرام یعنی ممنوع و منہی عنہ فی الشرع ہیں پس
جب تک کہ ان صورتوں کی حرمت یا کراہتِ تحریمی بالخصوص کسی آیتِ مفسرہ یا محکم یا مؤولہ قرآنی سے یا حدیثِ متواترہ یا آحاد قطعی
الدلالۃ بلامعارض سے ثابت نہ ہو لے۔ تب تک یہ صورتیں ممنوع یا منہی عنہ یعنی حرام نا جائز نہیں قرار دی جا سکتیں۔ اور کوئی آیتِ
قرآنی یا حدیثِ نبوی اس طرح کی ہے ہی نہیں۔ کہ جس سے بالتخصیص ان صورتوں کی ممنوعیت ثابت ہو۔ اور احداث طریقہ حسنہ کے
لئے بالعموم امر نبوی من سن الحدیث اور من دعا الی ھدی الحدیث موجود ہے ہی۔ اور امام نواوی کی تحریر ھذان حدیثان صریحان فی الحث
علی استحباب سن الامور الحسنۃ وتحریم سن الامور السیئۃ اور سواء کان ذٰلک تعلیم علم او عادۃ او ادب او غیر ذٰلک صریح موجود ہے۔ لہٰذا
یہ صورتیں گو کہ نئی بھی ہوں بالعموم ما لیس علیہ امرنا اور ما لیس منہ ای من الدین میں ہرگز داخل نہیں مانی جا سکتیں پس بالتخصیص
ان صورتوں کے ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع یعنی حرام یا مکروہ تحریمی ہونے کو جب تک کسی دلیل سمعی مذکور شرعی خاص سے ثابت نہ
کیا جائے۔ تب تک ان صورتوں کو حرام یا نا جائز ٹھیرانے کے لئے شریعت میں کوئی صورت ممکن ہی نہیں اور جب کسی دلیل
سمعی شرعی خاص سے ان صورتوں مذکورۂ استفتاء کا منہی عنہ یا ممنوع فی الشرع ہونا ثابت نہیں ہے۔ تو پھر ان صورتوں کے
عمل میں لانے کا اختیار ہم کو شرعاً حاصل ہے۔ اس لئے کہ نصِ قرآنی کے لفظ فانتھوا کا تعلق نصِ قرآنی کے لفظ ما نھٰکم
عنہ کے ساتھ ہی اور لفظِ حدیثِ نبوی فاجتنبوہ کا تعلق لفظ حدیث نبوی اذا نھیتکم عن شیءٍ کے ساتھ ہی مختص ہے۔
غیر منہی عنہ کے ساتھ لفظ فانتھوا یا فاجتنبوا کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ غیر منہی عنہ سے پرہیز کرنے کے لئے نہ تو خداوند
کریم نے ہم کو حکم دیا ہے اور نہ اُس کے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اور علاوہ بریں کریمۂ قرآنی قطعی الدلالہ
من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ کے الفاظ صریحہ ندا ی باعلیٰ صوت ہیں کہ کسی شی یا فعل کا حرام ٹھیرانا صرف خدائے عزّ و
جل کا ہی حق ہے یا اُس کے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسی غیر خدا و رسول (مثل ما و شما) کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں
ہے۔ کیونکہ تمامی اشیا اور تمامی افعال کا خالق بہ دلیل قطعی واللہ خلقکم وما تعملون صرف خدائے عزّ و جل ہی ہے
نہ کہ غیر اُس کا۔ یہی وجہ ہے۔ جو تمامی اہلِ سنت و جماعت بالاتفاق فرماتے ہیں۔ کہ حرمت یا کراہتِ تحریمی بغیر دلیل سمعی
کے وارد ہونے کے نہیں ثابت ہو سکتی۔ فانہ لا بد لہ من دلیلٍ بخصوصہ قول مشہور و معروف ہے۔ کیونکہ اہلِ سنت و جماعت
اشیاء و افعال میں اباحت اصلیہ کے قائل ہیں نہ کہ حرمتِ اصلیہ کے۔ اور دلیل سمعی اُن کی یہی کریمۂ من حرم زینۃ اللہ التی
اخرج لعبادہٖ والطیبات من الرزق اور کریمۂ خلق لکم ما فی الارض جمیعًا اور حدیث نبوی ما سکت عنہ فھو مما
عفی عنہ ہے۔ جیسے کہ تصریح اس کی اوپر گذر چکی۔ پس نفسِ ایصالِ ثواب بہ مُردگان اور نفس دُعا باجماعت کے کتاب و سنت
سے مامور بہ رہنے کے بعد دعا و ایصالِ ثواب کی ان صورتوں مذکورہ استفتاء کے ساتھ قرون مشہود لہا بالخیر میں اجرائے عمل
کا من حیث الروایت منقول نہ رہنا کسی طرح سے قائلین کے لئے مضر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عدم ثبوت ہے۔ اور عدم ثبوت ثبوت
عدم کا کسی طرح سے بھی مستلزم نہیں ہے۔ اگر اس وقت میں یہ کہا جائے۔ کہ پھر ہم سے عدم کے ثبوت کی روایت کیوں طلب
کرتے ہو۔ اس روایت کو بھی صحت کے ساتھ موجود رہنے کے باوجود کیوں نہیں خیال کرتے۔ کہ محدثین کی پابندی شرائط کے
لحاظ سے کتب متداولہ میں درج نہ ہونے پائی۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ مانعین چونکہ حرمت اور عدم جواز کے مدعی ہیں۔ اور

اپنے اس دعوے پر فقط اس قول کے سوائے (قرون مشہود لہا بالخیر میں یہ صورتیں نہیں تھیں) دوسری کوئی سند بالتخصیص ان صورتوں کے ناجائز ثابت کرنے کی نہیں رکھتے ہیں لہٰذا عدم مذکور کے ثبوت کی سند کا دینا اُن پر گویا فرض ہی ہے۔ جب تک وہ عدم مذکور کے ثبوت کی سند نہ دیں تب تک اُن کا دعویٰ (کہ قرون مذکورہ میں یہ صورتیں نہیں تھیں) کیونکر تسلیم کیا جائیگا۔ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر مانعین کتاب وسنت کے دلائل سمعیہ سے بالتخصیص مذکورہ صورتوں کے حرام وناجائز ہونے کو ثابت کرتے ہوتے۔ تو اس صورت میں عدم مذکور کے ثبوت کی سند کا پیش کرنا ہرگز اُن کے ذمہ پر نہ ہوتا اور ہم بھی ان سے طلب ہی نہ کرتے۔ پس واضح ہو گیا۔ کہ قرونِ مذکورہ میں ان صورتوں کے نہ موجود رہنے کا دعویٰ ان وقتوں میں ان صورتوں کی عدم موجودگی کے ثبوت کے بغیر ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتا۔ برخلاف قائلین کے کہ وہ جماعت کے ساتھ دعا کرنے کے اور ایصالِ ثواب کرنے کے کتاب وسنت سے مامور بہا ہونے کو ثابت کرتے ہیں جیسے کہ دلائل اس ثبوت کے پیش ازیں گذارش کئے گئے ہیں لہٰذا دعا و ایصالِ ثواب کی مذکورہ صورتوں کے قرون مذکورہ میں پائے جانے کی روایت کا منقول نہ ہونا اُن کے لئے کسی طرح سے مضر نہیں علاوہ برآں خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ خیر القرون مبارک میں ہی مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے پانی کے کنوئیں کھدوائے جاتے تھے۔ اور غلام آزاد کئے جاتے تھے۔ اور حج کروائے جاتے تھے۔ اور نمازیں پڑھی جاتی تھیں اور روزے رکھے جاتے تھے۔ اور صدقے دئے جاتے تھے۔ اور کھانے کھلائے جاتے تھے۔ جیسے کہ یہ سب احادیث بتصریح تمام اوپر گذر چکے ہیں پس سنّت صحیحہ سے ان تمام باتوں کے ثبوتِ صریحہ کے باوجود بھی یہ دعویٰ کرنا کہ قرون مذکورہ میں ان صورتوں سے ثواب رسانی نہیں کی جاتی تھی۔ باطل محض ہے۔ مزید برآں باقرار ائمۂ جلیل الشان علم حدیث یہ امر بالاتفاق مسلّم ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام احادیث قولی و فعلی و تقریری کے متون اور تمامی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار قولی و فعلی و تقریری کے متون بالاستیعاب ان کتب متداولہ موجودۂ حدیث میں ہرگز منحصر و محصور نہیں ہیں لاکھوں متون احادیث صحاح وحسان پابندیٔ شروط وابواب کے لحاظ سے کتابوں میں درج نہ ہو سکیں ومن ادعی الانحصار فعلیہ البیان بالبرھان۔ پس حضرات مانعین اگر اپنے دعووں میں سچے ہیں۔ تو اپنے مذکورہ تینوں دعووں کی سند کتاب وسنت صحیحہ سے پیش کریں پہلا ثبوت اس امر کا کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں جس امر کا پایا جانا من حیث الروایت منقول نہ ہو وہ بدعت ضلالت ہے۔ چونکہ بدعت ضلالت کا ممنوع اور منہی عنہ ہونا سنّت صریحہ سے ثابت ہے۔ اور قاعدۂ مسلّمہ ہے۔ کہ جب کسی کام سے منع کیا جاتا ہے۔ تو مانع پر اس امر ممنوع کی تعریف اور تحدید اور تعیین ضروری ہوتی ہے۔ تاکہ نافرمان پر حجت قائم اور ختم ہو جائے اور جائے عذر باقی نہ رہے۔ لہٰذا کسی حدیث متواترہ یا آحاد قطعی الدلالہ بلا معارض سے ثبوت اس کا پیش کیجئے۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بدعت ضلالت کی یہ تعریف و تحدید و تعیین فرمائی ہے۔ کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں جس امر کا پایا جانا من حیث الروایت منقول نہ ہو وہ بدعت ضلالت ہے۔ ائمۂ حدیث میں سے کس نے کس کتاب میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کی صحت کا حکم کس امام حدیث نے لگایا ہے۔ حدیث خیر القرون قرنی الحدیث تو صرف قرون مذکورہ فی الحدیث کی خیریت کی خبر دیتی ہے۔ نہ اس میں بدعت ضلالت کی تعریف ہے نہ اُسکی تحدید و تصریح۔ بلکہ لفظ بدعت تک بھی اُس حدیث میں مذکور نہیں پھر اُس کی تعریف کا اُس میں مذکور رہنا کب قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے۔ نہیں ہو سکتا ؁

ناظرین کرام! اس مقام پر کچھ آپ ہی از روئے انصاف فرمائیں۔ کہ خود رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے تو بدعت ضلالت
کی تعریف اپنی زبان سے یہ فرمائی ہے۔ کہ وہ ایسا گمراہی کا کام ہے کہ جس سے خدا اور رسول ناخوش ہوتے ہیں۔ جس کی روایت
ابن ماجہ اور ترمذی نے کی ہے۔ من ابتدع بدعۃ ضلالۃ (بالاضافہ) لا یرضاھا اللہ و رسولہ کان علیہ من الاثم الحدیث۔
یعنی جس شخص نے گمراہی کا ایسا نیا کام کیا کہ جس سے خدا اور رسول ناخوش ہوتے ہوں۔ پس وہ شخص اسی طرح کا گناہگار ٹھیرتا ہے)
اس حدیث شریف میں جس نئے کام کے کرنے سے آدمی گناہگار ٹھیرتا ہے۔ اس کام کی تحدید و توصیف و تعریف دو لفظوں
سے بیان کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ وہ کام گمراہی کا ہو۔ دوسرا یہ کہ خدا اور رسول اس کام سے ناخوش ہوں۔ ان دونوں قیود مذکورہ
فی الحدیث سے ظاہر ہو گیا ہے۔ وہ نیا کام ایسا ہو جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف میں ہو۔ کیونکہ گمراہی خدا اور رسول کے
حکم کی مخالفت کا ہی نام ہے۔ اور خدا اور رسول کی ناخوشی بھی اُن کے خلاف میں ہی منحصر اور محصور ہے۔ لیکن آنحضرت علیہ الصلوۃ
والسلام کی اس جامع و مانع تعریف بدعت ضلالت کو غیر مکمل مان کر اس کی جگہ پر اپنے خیال سے مقررہ کی ہوئی اس تعریف
(قرون مشہود لہا بالخیر میں جس امر کا پایا جانا من حیث الروایت منقول نہ ہو۔ وہ بدعت ضلالت ہے) قائم اور مشتہر اور
جاری کرنا کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی بدعت ضلالت ہو بھی سکتی ہے۔ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام
کی بیان کی ہوئی تعریف فی الواقع ہر طرح سے کامل و مکمل اور جامع اور مانع بالضرور ہے ہی ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔ دوسرا ثبوت اس دعویٰ کا کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے للہ مساکین کو
کچھ نہیں کھلایا جاتا تھا۔ صدقہ و خیرات نہیں دی جاتی تھی۔ یا بالاخر تیسرے روز یا دسویں روز یا چالیسویں روز یا برس کے
آخر روز میں مُردوں کی ثواب رسانی نہیں کی جاتی تھی۔ اور کسی کارِ خیر کے استحکام و انتظام کے قصد سے وقت کی یا دن کی تعیین
نہیں کی جاتی تھی۔ اس عدم کے ثبوت کی روایت صحیح النقل کسی صحابی یا تابعی سے پیش کیجئے۔ ورنہ رجماً بالغیب دعویٰ مذکور قابل
تسلیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان وقتوں میں مذکور دنوں میں ایصال ثواب بصور نہائے مذکور کے کئے جانے کا من حیث الروایت
منقول نہ ہونا عدم ثبوت ہے۔ اور عدم ثبوت کسی طرح سے بھی ثبوتِ عدم کا مستلزم نہیں ہے۔ مزید برآں یہ کہ نفس ایصال ثواب
سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور ثواب رسانی کے لئے پانی کے کنوؤں کا کھُدوانا۔ حج کا کئے جانا۔ غلام کا آزاد کئے جانا۔
نمازوں کا پڑھا جانا۔ روزوں کا رکھا جانا۔ صدقات کا دیا جانا۔ مسلمانوں کو کھلایا جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسے
کہ تصریح اس کی گذر چکی ہے۔ تیسرا ثبوت اس دعویٰ کا کہ (موت کے بعد تیسرے روز یا دسویں روز یا چالیسویں روز
یا برس کے آخر روز یا ربیع الاول کی بارہویں کے روز یا ربیع الثانی کی گیارہویں کے روز للہ کچھ مساکین مسلمانوں
کو کھلا کر۔ صدقہ و خیرات دیکر کچھ قرآءۃ قرآن شریف یا صرف سورۂ فاتحہ و اخلاص و درود شریف پڑھ کر ثواب
رسانی کرنا اور سنن و نوافل و اذکار و تسابیح راتبہ کے ادا کرنے کے بعد با جماعت امام کا دعا کرنا حرام و ناجائز
ہے) ان امور مذکورہ کے حرام و ناجائز ہونے یعنی ممنوع و منہی عنہ فی الشرع ہونے پر کوئی آیت مفسرہ یا محکمہ یا مؤولہ قرآنی وارد ہے
یا کوئی حدیث متواترہ یا آحاد قطعی الدلالہ بلا معارض موجود ہے تو اس کو پیش کریں چونکہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ احداث و استنان طریق
حسنہ کیلئے حدیث صحیح من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ کی سند صحیح موجود ہے۔ لہذا احداث مذکور ما لیس علیہ امرنا اور ما لیس منہ

ای من الدین ہیں کسی طرح سے داخل نہیں مانا جاسکتا بلکہ کسی امر خیر عام غیر مقید غیر محصور کی کوئی صورت گو کہ نئی ہو یا علیہ امرنا یا مالیس منہ ای من الدین میں داخل ہونے کی کسی طرح سے گنجائش ہی رکھتی نہیں ہے۔ پھر تو واضح ہو گیا کہ صور تو مذکورۂ استفتاء کی حرمت یا کراہت تحریمی جب تک کہ ادلۂ سمعیہ شرعیہ مذکورہ سے ثابت نہ ہولے تب تک اُن صورتوں کو ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ اور جو ممنوع اور منہی عنہ فی الشرع نہیں ہے اُس کا کرنا جائز ہے۔ جیسے کہ شرح مسلم میں امام نواوی نے کہا ہے والاصل انہ لا منع حتی یثبت غیر منہی عنہ سے پرہیز کرنے کے لئے نہ تو خداوند کریم نے ہم کو حکم دیا ہے اور نہ اُس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے۔ اس لئے کہ فانتھوا اور فاجتنبوا کا تعلق غیر منہی عنہ کے ساتھ مطلقاً ہے ہی نہیں مانہٰکم عنہ فانتھوا کریمۂ صریحہ اور اذا نہیتکم عن شئ فاجتنبوہ حدیث صحیحہ موجود ہے۔ اور مذکورہ صورتوں کے حرام یا مکروہ تحریمی ہونے پر کوئی دلیل سمعی شرعی بالتخصیص وارد ہی نہیں ہے۔ پس اُن صورتوں مذکورہ فی الاستفتاء کو جائز اور مباح کہنے اور ماننے کے سوائے کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ کی تحریر مذکورۂ بالا اس باب میں طالبینِ امر حق کے لیئے بہ خوبی کافی اور وافی ہے۔ اور خود امام الطائفہ مانعین مولانا محمد اسمعیل دہلوی رحمۃ اللہ کی تحریر (و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن بہ اموات بہ اطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر و افضل) شاہد واثق ہے۔ کہ مُردوں کی ثواب رسانی کے لئے للہ کھلانا پلانا صدقہ وخیرات دینا سورۂ فاتحہ و اخلاص پڑھ کر ثواب رسانی کرنا خود اُن کے نزدیک مشروع اور جائز بلکہ افضل ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی تحریر سے تو وضع خاص وتعیین قسم طعام و تعیینِ وقت کا جواز بھی ظاہر ہے۔ پھر تو امر حق کی توضیح کا حق جو کچھ کہ تھا بفضلہ تعالیٰ وتقدس بہ خوبی ادا کر دیا گیا ہے۔ نہ سخن پروری سے کوئی کام ہے اور نہ کسی کے ساتھ بحث وجدال کا کوئی پیام۔ اب قائلین امور مذکورہ کی خدمت میں بھی ایک گذارش واجب الاظہار یہ ہے۔ کہ وہ مذکورہ صورتوں کو جائز ہی جانیں اور جائز ہی مانیں۔ نہ کہ فرض یا واجب یا سنت موکدہ کہ جس کے ترک سے مواخذہ لازم ہو۔ ان مذکورہ صورتوں کے فرض یا واجب یا سنت موکدہ نہ رہنے کی بناء پر اگر کسی نے مذکورہ صورتوں کو نہ کیا تو اُس پر طعن اور ملامت نہ کریں۔ کیونکہ امر جائز کے ترک پر طعن وملامت کرنا شرعاً ہرگز جائز نہیں ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ الطیبین واتباعہ اجمعین الیٰ یوم الدین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

حررہ الفقیر الحقیر شاہ محمد ولی اللہ قادری عفی عنہ

حسن ڈونگری شاہ